

بیادگار حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

## خواتین کا ترجمان

ماہنامہ  
خواتین کا ترجمان  
لکھنؤ

شمارہ نمبر ۲

جلد نمبر ۶۱

فروری ۲۰۱۷ء

سالانہ زرقاوان

برائے ہندوستان : ۲۰۰ روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۳۵ امریکی ڈالر

نی شمارہ : ۲۰ روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰ روپے

نوٹ

علاوہ کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پڑے گی تو پھر ماہوار کم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (نمبر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

عائشہ حسنی

میمونہ حسنی

محمود حسن حسنی

جعفر مسعود حسنی

ذراعت پر RIZWAN MONTHLY لکھنؤ

ذد تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

**Rizwan (Monthly)**

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۳، محمد علی لین گون روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نعمانی آنسٹیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

کہنڈنگ: ناشر کپیڈر، لکھنؤ فون: 9792913331



# فہرست مضامین



- ۵ ..... اپنی بہنوں سے ●
- ۶ ..... حدیث کی روشنی میں ..... ائمۃ اللہ تنسیم ●
- ۸ ..... تبلیغ نبویؐ اس کے اصول اور اس کی ..... علامہ سید سلیمان ندویؒ ●
- ۱۶ ..... ازدواجی زندگی اور اسوۂ نبیؐ ..... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ●
- ۲۱ ..... رحمۃ للعالمینؐ سیدنا محمد رسولؐ بعثت کے بعد ..... مولانا مفتی عبدالغنی مظاہری ●
- ۲۷ ..... مسلم خواتین کے ساتھ حکومت کی ہمدردی ..... مفتی محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی ●
- ۳۰ ..... جھوٹ بولنا منافقت کی نشانی ..... افروز عنایت ●
- ۳۳ ..... اسلام کا مقصد جنگ اور حلب میں شامیوں ..... پروفیسر محسن عثمانی ندوی ●
- ۳۶ ..... دیکھو جو دیدہٴ عبرت نگاہ ہو ..... مولانا سید احمد میض ندوی ●
- ۴۰ ..... سوال و جواب ..... مفتی راشد حسین ندوی ●
- ۴۲ ..... آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی ●



# اپنی بہنوں سے

خلیل حسنی

قرآن پاک کی پہلی آیت اور پہلی وحی جس سے زمین کا رشتہ آسمان سے قائم ہوا زمین پر برکتوں کا نزول شروع ہوا، ”اقرا باسم ربک الذی خلق“ یہ وہ آیت ہے جو علم پر روشنی ڈال رہی ہے اس کی اہمیت کو اجاگر کر رہی ہے، اور کیوں نہ کرے۔ علم ایک روشنی ہے ایک ٹارچ ہے جس کی روشنی میں انسان اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ علم کا آغاز اللہ کے نام سے ہو۔  
پیاری ماؤں بہنو!

آپ اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک ادارہ ہیں، آپ چاہیں تو نہ صرف اپنے بچے کی تربیت کریں بلکہ ان سے منسلک ہر رشتے کی آپ رہنمائی کر سکتی ہیں، لیکن اس کے لئے آپ کا علم سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا صحیح ہے کیا غلط ہے۔ کون سا راستہ اللہ سے ملاتا ہے، کون سا راستہ اللہ سے دور کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
”طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة“ ہر مسلم مرد و عورت پر علم کا حصول فرض ہے۔

اتنا علم جس سے فرائض پر عمل کرنا آسان ہو۔ وہ علم تو فرض ہے۔

آج اس میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے، علم تو حاصل کیا جاتا ہے مگر ایسا علم جو لادینیت لارہا ہے خدا سے دور کرتا ہے۔ اسلام کے رشتے کاٹ رہا ہے۔ ایسے وقت میں ہر ماں اور بہن کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میں سنجیدہ ہو جائے اور خود بھی دینی علم سے آراستہ ہو اور اپنی اولاد کو بھی دینی علم سے آراستہ کرے۔



امۃ اللہ تسنیم

بنایا جو میرے لئے ان سے بہتر تھے۔  
(یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) (ابوداؤد)

مرنے والے کے بعد خدا سے  
آجراور نعم البدل کی دُعا

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ  
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
فرماتے ہوئے سنا ہے جس کو کوئی مصیبت  
پہنچے اور وہ یہ کلمات کہے۔

انالیٰ وانا لیه راجعون،  
اللہم آجرنی فی مصیبتی واخلف  
لی خیرا منها۔

ترجمہ: ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی  
طرف پلٹنے والے ہیں اے اللہ مجھے میری  
مصیبت پر ثواب عطا فرما اور مجھے بہتر بدلہ  
عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت پر اجر عطا  
فرمائے گا اور بہتر بدل عطا فرمائے گا وہ  
فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہؓ کی وفات ہوئی  
میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے  
مطابق یہی کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ نے اس  
سے بہتر بدلہ عطا فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم کو میرا سر پرست بنا دیا۔ (مسلم)

موت پر خدا کی حمد اور انا اللہ  
پڑھنے کی فضیلت

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے  
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

# مرنے والے کو تلقین

واغفر لنا ولہ یارب العالمین  
واقسح لہ فی قبرہ ونور لہ فیہ۔

ترجمہ: اے اللہ ابوسلمہ کو بخش دے اور

ان کا درجہ ہدایت پانے والوں میں بلند فرما اور  
کسی کو ان کا قائم مقام بنا اور ہم کو اور ان کو بخش  
دے، ان کی قبر کو کشادہ اور روشن فرما۔ (مسلم)

مریض و میت کے پاس اچھی بات کہو  
حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا جب کسی بیمار یا میت کے  
پاس جاؤ تو اچھی بات کہو، اس لئے کہ  
تمہارے ہر بول پر فرشتے آمین کہتے  
ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ  
جب ابوسلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں حضور صلی  
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی  
اور عرض کیا یا رسول اللہ ابوسلمہؓ کا انتقال  
ہو گیا، آپ نے فرمایا کہو اے اللہ مجھے  
اور ان کو بخش دے اور میرے لئے ان  
سے بہتر سر پرست عطا فرما۔ تو میں نے  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل  
کی۔ پس اللہ نے میرا سر پرست اُن کو

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے  
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا جس کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ ہوگا  
وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ  
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی  
تلقین کرو۔ (مسلم)

مرنے والے کے لئے دعا

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے  
روایت ہے کہ نزع کے وقت ابوسلمہؓ کی  
آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم تشریف لائے اور ان کی آنکھیں بند  
کر دیں، پھر فرمایا جب روح قبض ہونے  
لگتی ہے تو آنکھیں اس کی ٹنگلی باندھ کر  
دیکھنے لگتی ہیں، یہ سن کر ان کے گھروالے حنج  
اٹھے۔ آپ نے فرمایا اپنی بھلائی کے لئے  
دعا کرو۔ تمہارے ہر بول پر فرشتے آمین  
کہتے ہیں، پھر فرمایا اللہم اغفر لابی  
سلمۃ وارفع درجتہ فی المہدیین  
واخلفہ فی عقبہ فی الغابریں

وسلم نے فرمایا جب کسی کے لڑکے کی موت واقع ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندہ کے نخت جگر کی روح قبض کر لی، وہ عرض کرتے ہیں۔ جی ہاں، پھر ارشاد ہوتا ہے تم نے اس کے دل کے کٹوے کو لے لیا، وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں، فرماتا ہے کہ اس وقت میرے بندے نے کیا کہا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اس نے تیری تعریف کی اور انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ارشاد ہوتا ہے، میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو (یعنی تعریف کا گھر)۔ (ترمذی)

### ثواب کی اُمید میں صبر کا نتیجہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے اس مومن بندہ کے لئے جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں، جس کے محبوب کو میں لے لوں اور وہ ثواب کی امید پر صبر کرے۔ (بخاری)

### اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لے لیا

حضرت اُسامہؓ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا بھیجا کہ میرا بچہ زرع کی حالت میں ہے آپ تشریف لائیے، آپ نے اس

آدمی سے فرمایا تم جاؤ ان سے کہو کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا، اس کے یہاں وقت مقرر ہے پس تم اجر کی طالب رہو اور صبر کرو۔ (بخاری۔ مسلم)

### آنسوؤں اور دل کے غم پر مواخذہ نہیں

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادہ کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا دیکھ کر اور لوگ بھی رونے لگے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سنو اللہ تعالیٰ آنسوؤں پر اور قلب کے غمگین ہونے پر عذاب نہیں کرتا۔ زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس کی وجہ سے عذاب کرتا ہے، یا رحم فرماتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

### موت پر تباہی و ترحم کا نتیجہ ہے

حضرت اُسامہؓ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کا نواسہ لایا گیا جو زرع کی حالت میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو نکل پڑے، حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول

اللہ یہ کیا؟ فرمایا یہ اللہ کی رحمت ہے اس کو اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

### صاحبزادہ کے انتقال پر حضور کا ارشاد

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ کے پاس تشریف لائے وہ جاکنی کی حالت میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو نکل آئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بھی روتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن عوفؓ یہ رحمت ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو نکل آئے اور فرمایا آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمگین ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو، اے ابراہیمؓ البتہ ہم تمہارے فراق میں غمگین ہیں۔ (بخاری)

### میت کی پردہ پوشی

حضرت رافعؓ اسلم، خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مردے کو نہلائے اور اس کے عیب کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت چاہلیں مرتبہ فرمائے گا۔ (مسلم)

□□□

# تبلیغ نبویؐ اس کے اصول اور اس کی کامیابی کے اسباب

ایسا مذہب ہے جس نے تبلیغ کی اہمیت کو سمجھا اور اس کے متعلق اپنے صحیفہ میں کھلے احکام دیئے اور اس کے داعی و حامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس کی عملی مثالیں پیش کیں۔

جن مذہبوں نے تبلیغ کو اپنا اصول نہیں ٹھہرایا، ان کے ایسا کرنے کی اصلی وجہیں دو ہیں، ایک یہ کہ ان کے نزدیک اس حق کے قبول کرنے کی عزت کا استحقاق پیدائش سے حاصل ہوتا ہے، کوشش سے نہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جو حق ان کے پاس ہے وہ ان کے نزدیک اتنا پاک و مقدس ہے کہ ان کی خاص پاک و بزرگ و محترم نسل و قوم کے علاوہ دوسری تمام قومیں جو ناپاک و نجس و کمتر ہیں، ان تک اپنے پاک مذہب کو لے جانا اس مذہب کی پاکی کو صدمہ پہنچاتا ہے۔

یہی سبب ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دفعہ جب ایک کنعانی یا یونانی عورت نے ان سے برکت چاہی تو فرمایا: ”میں اسرائیل کے گھر کی کھوٹی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔“

پھر فرمایا: ”مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی (بنی اسرائیل کا مذہب) کتوں (غیر اسرائیلی قوموں) کو پھینک دیں۔“

پھر فرمایا: ”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ

کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔ قرآن پاک میں تبلیغ کے ہم معنی چند اور الفاظ بھی ہیں جن میں سے ایک لفظ ”انذار“ ہے، جس کے معنی ہوشیار اور آگاہ کرنے کے ہیں۔ دوسرا لفظ ”دعوت“ ہے، جس کے معنی بلانے اور پکارنے کے ہیں اور تیسرا لفظ ”تذکیر“ ہے، جس کے معنی یاد دلانے اور نصیحت کرنے کے ہیں۔

بخت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا میں دو قسم کے مذہب تھے، دو ایسے جو تبلیغی تھے یعنی عیسائیت اور بودھ مت، باقی زیادہ تر ایسے ہی تھے جو تبلیغی نہیں، جیسے یہودیت، مجوسیت، ہندویت۔ جو دو تبلیغی سمجھے جاتے تھے ان کی نسبت یہ فیصلہ مشکوک ہے کہ آیا یہ تبلیغ ان کے اصل مذہب کا حکم تھا یا بعد کے پیروؤں کا عمل ہے؟ کیونکہ ان کے مذہبی صحیفوں میں اس تعیم دعوت کی کھلی ہوئی ہدایتیں اور ان کے بانیوں کی زندگی میں اس کی عملی مثالیں نہیں ملتیں۔

تمام مذہب میں صرف اسلام ایک

اسلام پھیلا اور اس طرح پھیلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کو چھوڑا تو تمام عرب میں ایک بھی بت پرست نہ تھا، اس لیے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ مخالفین کے نزدیک تو اس کا جواب صرف تلوار ہے۔ لیکن کارلائل (ہیروز اینڈ ہیر دور شپ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)) کے بقول نبیؐ اور یکہ و تنہا اسلام کے ہاتھ میں یہ تلوار کس تلوار کے زور سے آئی؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تلوار صرف اسلام کی تبلیغی دعوت تھی۔ اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں، اسلام کی اس طاقت کی تشریح کر دینا مناسب ہے۔

## فریضہ تبلیغ

”تبلیغ“ کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں، اس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں اور اس کو اس

ہونا بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی  
بھڑوں کے پاس جاؤ اور چلتے ہوئے  
منادی کرو۔“

پھر ارشاد فرمایا: ”وہ چیز جو پاک ہے  
کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سوروں کے  
آگے نہ پھینکو۔“

ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تمام  
قوموں سے جو چھپا کر رکھا اس کا بھی یہی  
سبب تھا کہ وہ اپنا پاک دھرم ملجھوں اور  
اچھوتوں کو سکھا کر اس کو ناپاک نہیں کرنا  
چاہتے تھے، یہودیوں کا بھی یہی خیال تھا  
کہ نامتوں اس نعمت کے اہل نہیں۔

## تبلیغ کی اہمیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا  
کی تمام قوموں کو برابری اور مساوات کی  
ایک ہی سطح پر لا کر کھڑا کیا اور خدا کے پیغام  
کی منادی کا سب کو یکساں مستحق قرار دیا،  
اس لیے اپنی تبلیغ کے لیے قریش وغیر  
قریش، حجاز و یمن، عرب و عجم، ہند اور روم  
کی تخصیص نہیں فرمائی بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر  
زبان اور ہر گوشہ میں صدائے الہی کا پہنچانا  
فرض قرار دیا، ابتدائی وحی میں انجانوں کو  
ہوشیار اور بے خبروں کو آگاہ کرنے کا سب  
سے پہلا حکم تھا:

یا ایہا المدثر قم فانذر۔ (اے  
چادر پوش! اٹھ کھڑا ہو، اور ہوشیار و آگاہ  
کر)۔ پھر بار بار حکم ہوتا رہا کہ: (بلغ ما

انزل الیک من ربک) (جو کچھ آپ کے  
رب کی طرف سے آپ کی طرف اتارا گیا  
ہے اس کو دوسروں کو پہنچا دیجیے)۔ فاداع  
واستقم کما امرت۔ (لوگوں کو دعوت  
دیجیے اور اسی طرح مضبوطی سے جے رہیے  
جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے)۔ فلذکر ان  
نفعت الذکرى (تو لوگوں کو نصیحت کیجیے  
اگر نصیحت ان کو فائدے دے)۔ واذکر  
فان الذکرى تنفع المومنین (اور  
نصیحت کیجیے کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ  
پہنچاتی ہے)۔ فلذکر بالقدآن من  
یخاف وعید (تو اس کو قرآن کے ذریعہ  
سجھائیے جو میری وعید سے ڈرتا ہو)۔

ان کے علاوہ بیسیوں آیتوں میں  
اس فرض کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے،  
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”اے علی! تمہاری کوشش سے ایک  
آدمی کا بھی دین حق کو قبول کر لینا دنیا کی  
بڑی سے بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔“  
اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اپنے  
ہر پیرو پر خیر کی دعوت، امر بالمعروف، نہی  
عن المنکر اور قواسمی بالحق یعنی باہم ایک  
دوسرے کو سچائی کی نصیحت کرنا ضروری قرار  
دیا ہے اور مسلمانوں کا یہ فرض بتایا ہے کہ وہ  
اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تاریکی سے  
نکلانے کی جدوجہد کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا

ہے کہ ہر قسم کے خطرات سے بے پروا ہو کر  
پیام الہی لوگوں تک پہنچائیے اور اگر ایسا نہ  
کیا تو رسالت کا فرض انجام نہیں دیا:

(یا ایہا الرسول بلغ ما  
انزل الیک من ربک وان لم  
تفعل فما بلغت رسالته واللہ  
یعصمک من الناس)۔

(اے رسول! آپ کے رب کی  
طرف سے جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا  
ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دیجیے، اور اگر  
آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اس کا  
پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے  
محفوظ رکھے گا)۔

## اس کی وسعت

اس کے بعد اس فریضہ تبلیغ کی  
وسعت کی بحث ہے، پیغام الہی سچائی کا  
ایک بہتا چشمہ ہے جو آہستہ آہستہ قدرتی  
رفقار سے پہلے اپنے قریب کی زمین کو، پھر  
آگے کو، پھر اس سے آگے کو سیراب کرتا چلا  
جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ زمین کے کناروں  
تک پہنچ جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم کو اس تبلیغ کا حکم اسی تدریج کے ساتھ  
ہوا، سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور  
خاندان کے لوگوں کو سچانے کا حکم ہوا:

(وانذر عشیرتک الاقربین)  
(اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل  
خاندان کو آگاہ و ہوشیار کیجیے)۔

اس کے بعد یہ دائرہ بڑھ کر شہر مکہ اور اس کے اطراف کی آبادیوں تک پہنچتا ہے:

(لتنذر ام القرى و من حولها) (تاکہ آپ مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ و ہوشیار کریں)۔

اب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور ہر زندہ روح یعنی سبھی بوجھ، احساس و عقل وغیرہ حقیقی زندگی کی علامتیں جس میں موجود ہوں اس کی مخاطب ہوتی ہیں:

(ان هو الا نکر و قرآن مبین، لیندر من کان حیا) (یہ قرآن تو صرف ایک نصیحت اور صاف صاف اللہ کا کلام ہے تاکہ وہ اس کو ہوشیار کرے جو زندہ ہے)۔

پھر جس حد تک بھی وہ آواز پہنچ جائے سب سے اس کا خطاب ہے:

(لانذرکم بہ و من بلغ) (تاکہ میں تمہیں آگاہ و ہوشیار کروں اور ان کو جن تک میری آواز پہنچے)۔

پھر تمام انسانوں تک اس کی وسعت ہوتی ہے: (ہذا بلاغ للناس) (یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے ایک پیغام ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوا: (وما ارسلناک الا کافۃ

للسناس بشیرا و نذیرا) (اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ تمام انسانوں کو خطاب کر کے یہ اعلان فرمادیں:

(قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً) (اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں)۔

اس سے زیادہ یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں داخل ہے، فرمایا:

(تبارک الذین نزل الفرقان علی عبدہ لیكون للعالمین نذراً الذین لہ ملک السماوات والارض)۔

(بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس نے اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر حق اور باطل میں امتیاز بنانے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ تمام دنیا جہان کے لیے ہوشیار و آگاہ کرنے والا ہو، اس کی ملکیت میں آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے)۔

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس تبلیغ و دعوت کی وسعت اور اس میں کامیابی کی خوشخبری عین اسی وقت دے دی گئی تھی جب مسلمانوں کے دلوں میں ایک قسم کی مایوسی چھائی ہوئی تھی، چنانچہ آیت ذیل نازل ہوئی:

(ان هو الا نکر للعالمین، ولتعلن نبأہ بعد حین) (یہ قرآن تو تمام دنیا جہان کے لئے نصیحت ہے، اور تم

اس کی خبر ایک زمانہ کے بعد جانو گے)۔

انبیاء کرام اور بانیان مذاہب کے عملی نمونوں اور مثالوں کی تلاش اور جستجو کرو تو یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جائے گی کہ اسلام کے سوا اور جو مذہب تبلیغی سمجھے جاتے ہیں وہ حقیقت میں تبلیغی نہیں، خود بودہ نے ہندوؤں کے علاوہ کسی کو اپنی نجات کا راستہ نہیں بتایا اور نہ اس کا حکم دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم کو نہ اپنا وعظ سنایا اور نہ ان کو اپنا مخاطب بنایا اور نہ ان میں سے کسی کو اپنا شاگرد کیا، نہ کسی دوسری قوم میں اپنی زندگی میں اپنا واعظ اور مبلغ بھیجا، حالانکہ فلسطین میں رومیوں اور یونانیوں کی بڑی جماعت موجود تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رہ کر اور اس کے پاس کے لوگوں کو بیدار و ہوشیار کیا، حج کے موسم میں عرب کے ایک ایک قبیلہ کے پاس جا کر حق کا پیغام پہنچایا اور اسی زمانہ میں یمن اور حبشہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچ گئی اور لوگ تلاش حق کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ مدینہ منورہ آئے تو قریش کو برسوں تک دوسرے قبیلوں تک اسلام کے پیچھے میں سدراہ بنے رہے، پھر بھی مبلغ اور داعی بھیج کر قبیلوں تک آواز پہنچائی گئی اور بالآخر قریش کے خلاف اس لیے تلوار اٹھائی گئی کہ اسلام کو تبلیغ کی پرامن

آزادی ملے۔ چھ برس کے جنگ و جدل کے بعد صلح حدیبیہ میں قریش نے اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کیا اور تبلیغ کی آزادی حاصل ہوئی، قرآن نے اسلام کی اس روحانی فتح کو ”فتح مبین“ قرار دیا اور (انفتحا لک فتحاً مبیناً) نازل ہوئی، اس کے بعد ہی عرب اور بیرون عرب میں اسلام کے واعظ، قاصد اور مبلغ بھیجے گئے اور دنیا کے امراء و مسلمانین کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے گئے اور عربوں کے علاوہ دہلم، ایران، حبش اور روم کے طالب آئے اور فیضان حق سے سیراب ہوئے، مشرکین عرب، یہود، عیسائی اور پارسی سب نے آپ کے زمانہ ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے روشنی حاصل کی۔

لیکن نفس تبلیغ کی فریضت و اہمیت سے بھی زیادہ اہم چیز تبلیغ کے اصول ہیں:

## تبلیغ کے اصول

یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو کسی سچائی کے قبول کی دعوت دینی چاہئے، دنیا میں پہلی دفعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، وہ مذہب بھی جو تبلیغ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے، لیکن صحیفہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروؤں کو یہ بتایا

ہے کہ پیغام الہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبول حق کی دعوت کس طرح دی جائے:

(ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن) (لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ بلائیے اور ان سے مناظرہ خوش آئند طریق سے کیجیے)۔

تبلیغ و دعوت کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے، عقل و حکمت، موعظہ حسنة اور مناظرہ بہ طریق احسن۔

مسلمان محکموں نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں: یعنی ایک تو برہانیاں: جن میں

نقیحی مقدمات کے ذریعہ سے دعوے کے ثبوت پر دلیلین لائی جاتی ہیں۔ دوسرے

خطابیات: جن میں مؤثر اور دل پذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اور تیسرے

جدلیات: جن میں مقبول عام اقوال اور فریقین کے مسلم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک نے پہلے طریقہ کو

حکمت، دوسرے کو موعظت حسنة اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے، اور

استدلال کے بھی وہ تین طریقے ہیں جن سے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے

مدعا کو ثابت کرتا ہے۔

خیر یہ تو فلسفیانہ نکتہ آفرینی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کر کے اس کے قبول کی دعوت دیتے ہیں تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں: یا تو اس بات کے ثبوت اور تائید میں کچھ دل نشین دلیلیں پیش کرتے ہیں یا اس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں اور مؤثر انداز سے اس کو نیک و بد اور نشیب و فراز سے آگاہ کرتے ہیں یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلوں کو مناسب طریقہ سے رد کر کے اس کی غلطی کو اس پر واضح کرتے ہیں۔ پہلے طریقہ کا نام حکمت، دوسرے کا نام موعظت حسنة اور تیسرے کا نام جدال بہ طریق احسن ہے، تبلیغ و دعوت کے یہی تین طریقے ہیں۔

## قول لئین

حکیمانہ استدلال ہو یا وعظ و نصیحت ہو یا جدال و مناظرہ ہو، ضرورت یہ ہے کہ

دامی نرمی اور خیر خواہی سے ہاتھیں کرے کہ سختی اور شدت کا طریق دوسرے کے دل

میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور کیسی ہی اچھی اور سچی بات ہو لیکن

اس قسم کے جذبات اس کے قبول کی استعداد اس سے سلب کر لیتے اور سننے

والے میں اپنی غلطی پر ضد اور ہٹ پیدا کر دیتے ہیں، جس سے دعوت کا فائدہ اور

نصیحت کا اثر باطل ہو جاتا ہے، اسی لیے قرآن پاک نے اپنے پیغمبروں کو اپنے

مخالف سے مخالف دشمن سے بھی نرمی ہی سے باتیں کرنے کی تاکید کی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کی ہدایت دیتی ہے تو ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے:

(اذہبا الی فرعون انہ طغی،  
فقولاً لہ قولاً لیناً لعلہ ینتذکر او  
یخشی) (تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ،  
اس نے سرکشی کی ہے، اور اس سے نرم گفتگو  
کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا اللہ  
سے ڈرے)۔

دعوت و تبلیغ میں رفق و نرمی اور لطف و  
تخل کی تعلیم کی اس سے بہتر مثال نہیں  
ہو سکتی کہ نہ کوئی داعی اور داعیہ پیغمبروں سے  
بہتر ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی  
مجرم ہو سکتا ہے، پھر ایسے مجرم کے سامنے  
اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم  
جب پیغمبروں کو ہوتی ہے تو عام داعیوں،  
مبلغوں اور داعیوں کو عام مخالفوں،  
مجرموں اور سرکشوں کے ساتھ بدرجہا زیادہ  
رفق و ملاحظت سے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

## اعراض و قول بلوغ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان  
منافقوں کے بارے میں جو آپ کی  
نافرمانی کے جرم کے مرتکب ہوئے تھے یہ  
حکم ہوتا ہے:

(فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عَظَّمْ وَ  
قُلْ لَّهُمْ فِیْ أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِیْغًا) (تو  
آپ ان سے درگزر کا معاملہ کیجیے اور ان کو  
نصیحت کیجیے اور ان سے ایسی بات کہیے جو  
ان کے دلوں میں اثر کرے)۔

اس تعلیم میں تین ہدایتیں ہیں: اول  
یہ کہ دعوت و تبلیغ میں مخالف کی بد سلیقگی،  
بد تہذیبی اور دشمنی سے درگزر اور ان کو  
برداشت کرنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ ان کو  
نصیحت کرنا اور سمجھانا چاہیے اور تیسری یہ کہ  
گفتگو کا وہ موثر طرز و انداز اختیار کرنا  
چاہیے جو دل میں گھر کرے۔

## تیسیر و تبشیر

ان ہی ربانی ہدایتوں کی تعمیل میں  
جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
حضرت معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری  
رضی اللہ عنہما کو یمن میں اسلام کی دعوت و تبلیغ  
کے لیے متعین فرمایا تو رخصت کرتے وقت  
یہ نصیحت فرمائی:۔

تیسرا ولا تعسروا و بشروا ولا  
تنفروا (دین الہی کو آسان کر کے پیش  
کرنا، سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری دینا،  
اور نفرت نہ دلانا)۔

یہ وہ تبلیغی اصول ہیں جو ایک داعی و  
مبلغ کی کامیابی کی جان ہیں، آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے  
سامنے اور صحابہ کرامؓ نے عام مسلمانوں

کے سامنے اسی اصول کے مطابق دین الہی  
کو پیش کیا اور کامیابی حاصل کی، دین کی  
جائز آسانی اور سہولت کو پیش کرنا اور اس کو  
سخت، درشت اور مشکل نہ بنانا ہی اس کے  
قبول عام کی راہ ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے  
لطف و شفقت، رحم و کرم اور مہربانیت کی دل  
نواز صداؤں سے دلوں کو پُر امید اور سرور  
بنانا اور اس سے بہتر ہے کہ بات بات پر خدا  
کی قہاری و جباری اور ہیبت و جلال کا ذکر  
کر کے دلوں کو خوفزدہ اور مایوس بنایا جائے۔

## تدریج

تبلیغ کا ایک اور اصول آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمایا کہ کسی نئی  
قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام  
احکام کا بوجھ ایک دفعہ اس کی گردن پر نہ ڈالا  
جائے بلکہ رفتہ رفتہ وہ اس کے سامنے پیش  
کیے جائیں، پہلے توحید اور رسالت کو پیش  
کرنا چاہیے، اس کے بعد عبادات کو،  
عبادات میں بھی اہم، پھر اہم کے اصول کو  
پیش نظر رکھنا چاہئے، عبادات میں سب  
سے اہم نماز ہے، پھر زکوٰۃ ہے، پھر  
دوسرے فرائض ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل  
رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک  
قوم کے پاس جاؤ گے تو ان کو پہلے اس کی  
دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں بائچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، اور جب وہ یہ بھی مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دے دیا جائے، جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو صدقہ میں جن جن کران کے بڑھیا مال کو نہ لینا، اور ہاں! مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔“

## تالیفِ قلب

تلیخ و دعوت کے سلسلہ میں اسلام نے ایک اور طریقہ بھی پیش کیا ہے، جس کو تالیفِ قلب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے: (المولفة قلوبہم) اس کے لفظی معنی ہیں: ”دلوں کو ملانا“ اور اس سے مقصود اس شخص کے ساتھ جس کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہو، لطف و محبت، امداد و اعانت اور غمخواری و ہمدردی کرنا ہے، کیونکہ انسان طبعاً شریفانہ جذبات کا ممنون ہوتا ہے اور یہ ممنونیت عناد اور ضد کے خیالات کو دور کر کے قبول حق کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو اپنے اس اعجاز سے اسلام کا حلقہ بگوش بنالیا تھا، چنانچہ مکہ کے بعض رئیس اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی غنیمت کا سارا مال ان ہی میں تقسیم کر دیا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ پھر حق کے خلاف ان کی گردنیں نہ اٹھ سکیں، صفوان جو اسلام کے سخت مخالف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت بغض رکھتے تھے وہ کہتے ہیں کہ: ”مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اتنا دیا اور اتنا دیا، اور مجھے ان سے سخت بغض تھا، لیکن آپ کے ان احسانات نے مجھے ایسا متاثر کیا کہ اب میری نگاہ میں ان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں۔“

ایک دفعہ ایک بدو نے آ کر کہا کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریوڑ ہیں مجھ کو عنایت کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہ سب دیدیے۔ یہ فیاضی دیکھ کر ایسا اس پر اثر پڑا کہ اس نے اپنے پورے قبیلہ سے جا کر کہا: ”بھائیو! اسلام قبول کرو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا دیتے ہیں کہ ان کو اپنے فقر و افلاس کا ڈر ہی نہیں رہتا۔“

ایک یہودی کا لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور جا کر اس کے سر ہانے بیٹھے پھر فرمایا کہ لڑکے اسلام قبول کر لے۔ اس نے مستفسرانہ نگاہ سے باپ کی طرف دیکھا، اس نے کہا: ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لے۔

چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھے تو زبان مبارک پر یہ فقرہ تھا کہ: ”اس خدا کی حمد، جس نے اس کو جہنم سے بچالیا۔“

## دعوتِ حق

اسلام نے تبلیغ و دعوت کے جو اصول بتائے ہیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہو کہ بغیر اس کے حکمت و دانشمندی، وعظ و نصیحت اور جدال و مناظرہ کی بنیاد قائم نہیں رہ سکتی، اس بنا پر مذاہب عالم کی تاریخ میں نبوت محمدیہ سب سے پہلی ربانی آواز ہے، جس نے حاکمانہ قانون (تورات) یا صرف لفظوں کے الٹ پھیر (انجیل) یا راجاؤں کے احکام (وید) کے بجائے عقل انسانی کو مخاطب کیا اور فکری دعوت دی، فہم و تدبر کا مطالبہ کیا، اس نے اپنی ہر تعلیم کے ساتھ اپنی تعلیم کی خوبی، مصلحت اور حکمت خود ظاہر کی اور بار بار مخالفوں کو آیات الہی میں غور و فکر کی ہدایت کی، فرمایا:

قُلْ هَلْ عَسَيْتُمْ مِّنْ عِلْمِ فَتَخْرِجُوهُ لَنَا، اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُونَ، قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ.

(آپ کہہ دیجیے اے پیغمبر! کہ تمہارے پاس کوئی (یقینی) علم ہے تو اس کو ہم پر ظاہر کرو، تم تو گمان ہی کے پیچھے چلتے

ہو اور تم تو اٹکل ہی لگاتے ہو، کہہ دیجیے کہ  
مرف اللہ ہی کی دلیل ایسی ہے جو (دلوں  
تک پہنچنے والی ہے)۔

نیز ارشاد ہوا:

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ  
وَيَخْيِسَ مَنْ خَسِيَ عَنْ بَيِّنَةٍ، وَإِنَّ  
اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ.

(تا کہ جو ہلاک ہو، وہ دلیل سے  
ہلاک ہو اور جو جیتا رہے وہ دلیل سے جیتے،  
اور اللہ ہے سنے والا، جاننے والا)۔

فخلت شعاعا کافروں کی نسبت فرمایا:  
وَكَايِنِ مِنَ آيَةِ فِي السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ يَمْذُورُونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا  
مُعْرِضُونَ.

(اور آسمانوں میں اور زمین میں  
اللہ کی توحید کی) کتنی نشانیاں (دلیلیں)  
ہیں جن سے وہ گزرتے ہیں لیکن (ان سے  
صحیح حاصل کرنے کے بجائے) ان سے  
اعراض کرتے ہیں)۔

غور و فکر کرنے والے اہل ایمان کی  
تریف میں فرمایا:

إِنَّ فِى سَمَوَاتِ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ  
لَا يَتَذَكَّرُونَ إِلَّا لَوِىِ الْأَلْبَابِ، الَّذِينَ  
يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُوَّةً وَعَلَى  
جَنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِى خَلْقِ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ  
هَذَا بَاطِلًا.

(بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی خلقت  
اور رات و دن کے الٹ پھیر سے عقل والوں  
کے لئے نشانیاں ہیں، جو کھڑے، بیٹھے اور  
لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں، اور آسمانوں

اور زمین (کی تمام چیزوں) کی بناوٹ کے  
بارے میں غور کرتے رہتے ہیں، (بالآخر  
پکاراٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ  
سب بے کار نہیں بنایا ہے)۔

اس سے زیادہ عقلی اور علمی استدلال  
کی دعوت اور کیا ہوگی، مگر بہر حال یہ خارجی  
استدلال تھا، اندرونی استدلال کی بھی اس  
نے دعوت دی، فرمایا:

(وَفِى أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا  
تَبْصُرُونَ) (اور خود تمہارے اندر بھی اللہ  
کی نشانیاں ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں)۔

صحیفہ محمدی کی نسبت ہر جگہ یہ  
الفاظ فرمائے:

(تَبْصِرَةٌ وَنُكْرَى لِكُلِّ عِبْدٍ  
غَنِيْبٍ) (یہ بصیرت اور بصیرت ہے، ہر اللہ  
کی طرف) رجوع ہونے والے بندہ کیلئے) (یہ  
(هَذَا بِصَائِرٍ مِنْ رَبِّكُمْ) (یہ  
تمہارے رب کی طرف سے بصیرتیں ہیں)۔

(هَذَا بِصَائِرٍ لِلنَّاسِ) (یہ لوگوں  
کے لیے بصیرتیں ہیں)۔

(أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ) (کیا یہ  
لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے)۔

(أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ  
عَلَى قُلُوبِ أَقْفَالِهَا)

(کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں  
کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں)۔  
(وَالْقُرْآنَ الْحَكِيمِ) (حکمت  
والے قرآن کی قسم)۔

(تِلْكَ آيَاتِ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ)  
یہ حکمت والی (باتوں سے بھری ہوئی)  
کتاب کی آیتیں ہیں)۔

نہ صرف اسی قدر بلکہ خدا کا وجود،  
توحید، رسالت، قیامت، جزا و سزا،  
عبادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اخلاق  
وغیرہ ہر تعلیم کی تقنین کرتے وقت اس نے  
اس کی صداقت کی عقلی دلیلیں پیش کی ہیں،  
اور ہر مسئلہ کی مصلحتیں اور حکمتیں علی الاعلان  
ظاہر کی ہیں، آئندہ صفحوں میں ہر قدم پر  
اس کی دلیلیں آپ کو ملیں گی۔

## مذہب میں زبردستی نہیں

یہ وہ حقیقت ہے جس کی صدا آج ہر  
درد دیوار سے آتی ہے، لیکن شاید لوگوں کو  
معلوم نہیں کہ دنیا میں اس حقیقت کا اعلان  
سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ہی کی زبان مبارک سے ہوا، اور ظاہر ہے  
کہ جو مذہب اپنی اشاعت کے لیے صرف  
دعوت و تبلیغ کا راستہ دکھاتا ہو، جس نے اس  
کے اصول بتائے ہوں، جس نے عقل  
بصیرت اور فہم و تدبر کا، ہر معاملہ میں لوگوں  
سے مطالبہ کیا ہو، ہر قدم پر عقلی استدلال اور  
مصلحت و حکمت کا اظہار کیا ہو، وہ کیونکر جبر

واکراہ اور زبردستی کے طریقہ کو اختیار کر سکتا تھا، اسلام نے نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا بلکہ اس کا فلسفہ بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں، اسلام مذہب کا اولین جزا ایمان ہے، ایمان یقین کا نام ہے اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہیں کر سکتی، بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوح دل پر یقین کا کوئی حرف نقش نہیں کر سکتی، فرمایا:

(لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی)۔

(دین اختیار کرنے) میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت گرائی سے الگ ہو چکی)۔

یہ وہ عظیم الشان حقیقت ہے جس کی تلقین انسانوں کو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی، دوسری جگہ فرمایا:

(وقل الحق من ربکم فغن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر) اور کہہ دیجیے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، تو جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے)۔

ایمان اور کفران دو میں سے ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے، عقل و بصیرت والے اسے خود قبول کریں گے اور نا فہم اس سے محروم رہیں گے، اسی لیے بار بار یہ واضح کیا گیا کہ رسول کا کام لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، زبردستی منوانا نہیں۔

(انما علی رسولنا البلاغ

المبین) (ہمارے رسول پر تو یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف ہمارا پیغام پہنچادے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قریش کے اعراض و مخالفت سے حد درجہ غمگین تھے، تسکین دی گئی:

(ان علیک الا البلاغ) (اے پیغمبر! آپ کا فرض صرف پیام پہنچانا ہے) (انما انت مذکور لست علیہم بمحصیطر) (اے پیغمبر! آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں، ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں)۔

(فان اعرضوا فما ارسلناک علیہم حیظاً، ان علیک الا البلاغ) (پھر اگر وہ اسلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کریں تو اے پیغمبر! ہم نے آپ کو ان پر گھراں بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ صرف پیغام پہنچانا ہے)۔

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول کی شان کو اس نے بہت بلند سمجھا ہے، فرمایا:

(ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلہم جمیعاً، افانت تکره الناس حتی یكونوا مومنین) (اگر آپ کا رب چاہتا کہ (لوگوں کو زبردستی مومن بنا دے) تو زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے، تو اے پیغمبر! کیا آپ لوگوں پر دباؤ ڈالیں گے یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کر لیں)۔

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے لڑنا جائز ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجبوراً لڑنا پڑا، اس سے مخالفوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائی صرف اس لیے تھی کہ اسلام کو تلوار کے زور سے لوگوں میں پھیلایا جائے، حالانکہ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کا فر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا کوئی واقعہ ایسا ہے، جس میں کسی کا فر کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو، بلکہ اگر ہے تو یہ ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ ابْلِغْهُ مَأْمَنَهُ، ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ۔

(اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دیدیجئے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اس کو اس کی مامون جگہ پر پہنچادیجئے، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو جانتے نہیں)۔

یہ نہیں کہا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو پناہ نہ دو، بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دے کر اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے اور اس کو کلام الہی سنایا جائے تاکہ اس کو غور و فکر کرنے کا موقع ملے، ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہوگا۔

(بقیہ..... صفحہ..... 41..... پر)

# ازدواجی زندگی اور اسوۂ نبی

غسل فرماتے اور دونوں اس سے پانی لیتے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ سے فرماتے کہ تم میرے لئے پانی چھوڑ دو، اور کبھی حضرت عائشہ حضور سے عرض کرتیں کہ آپ میرے لئے پانی چھوڑ دیں: "حتی یقول لہا دعی لی و تقول لہ دع لی۔" (مسلم، کتاب النہیض، حدیث نمبر: 321)

کبھی کبھی آپ ازدواج مطہرات سے مزاج بھی فرماتے تھے، ایک زوجہ مطہرہ نے ایسا کپڑا پہنا، جو بہت ڈھیلا ڈھالا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہنو اور اللہ کا شکر ادا کرو، اور فرمایا کہ تمہارا دامن اس طرح گھسٹ رہا ہے، جیسے لباس عروسی کا دامن ہو: "وجردی من ذیلک هذا کذیل العروس۔" (کنز العمال: 30617، حدیث نمبر 18648)۔ حضرت عائشہ جب حرم مبارک میں آئیں تو کم عمر تھیں اور گڑیا بھی بناتی تھیں انہوں نے ایک گھوڑا بنایا اور اس میں پردہ بھی لگا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا: اس گھوڑے کے پر بھی ہیں؟ حضرت عائشہ بھی بڑی ذہین اور ذکی خاتون تھیں، کہنے لگیں: حضرت سلیمان کے گھوڑوں کے تو پردے ہوتے تھے۔ (ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث نمبر 4932)

آپ ایک ایسے محبت کرنے والے

تفریح سے بھی لطف اندوز ہوتے تھے، اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ ایک بار حضرت سوڈہ میرے پاس آئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے درمیان اس طرح بیٹھ گئے کہ آپ کا ایک پاؤں میری گود میں تھا اور ایک پاؤں ان کی گود میں، میں نے ان کے لئے حریرہ بنایا اور ان سے کھانے کو کہا، انہوں نے انکار کیا، میں نے کہا: یا تو آپ کھائیں یا میں آپ کے چہرے پر مل دوں گی، انہوں نے پھر انکار کیا تو میں نے پیالے میں سے تھوڑا سا حریرہ لے کر ان کے چہرے پر مل دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گود سے اپنا پاؤں ہٹا لیا، تاکہ وہ بھی مجھ سے بدلے لے سکیں، چنانچہ انہوں نے بھی تھوڑا سا حریرہ لے کر میرے چہرے پر بھی مل دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کو دیکھتے اور ہنستے رہے۔ (نسائی، کتاب عشرة النساء، حدیث نمبر 8917)

اسی طرح بعض اوقات ایک ہی برتن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ

ازدواج مطہرات کے ساتھ بے تکلفی اور زنانہ ناز و انداز کے پاس ولجناظ کا ایک لطیف مظہر حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ایک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور جب ناراض ہوتی ہو، دونوں کو میں اچھی طرح سمجھ لیتا ہوں، میں نے پوچھا: آپ کیسے سمجھ لیتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جب تم خوش رہتی ہو اور قسم کھانی ہوتی ہے تو کہتی ہو: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم! اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: حضرت ابراہیم کے رب کی قسم! میں نے کہا: اللہ کے رسول! خدا کی قسم میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں: "ما اجد الا اسمک" (بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: 4930) یعنی یہ صرف زبان سے ہوتا ہے، لیکن دل میں ہمیشہ آپ کا ذکر خیر بسا رہتا ہے۔

ازدواج کے ساتھ بے تکلفی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ بعض دفعہ ان کی آپسی نوک جھونک اور ایک دوسرے کے ساتھ

شوہر تھے، جو نہ صرف بیویوں کی دل داری کا خیال رکھتے تھے، بلکہ ان کے کاموں میں بھی مدد فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ جب اپنے گھر میں ہوتے تو کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: گھر کے کاموں میں مدد فرماتے۔ "کان فی مہنتہ اہلہ" (بخاری، حدیث: 276، ترمذی حدیث نمبر: 2489) ایک اور روایت میں ہے: کپڑے میں بیوند لگا دیتے، بکری کا دودھ دودھ دیتے اور عام طور پر مرد اپنے گھر میں جو کام کرتے ہیں، اسے انجام دیتے تھے: "وکان یرقع ثوبہ ویحلب الشاة ویعمل ما یعمل الرجال فی بیتہ۔" (مسند احمد، حدیث نمبر: 2947، مسند ابی یعلیٰ، حدیث نمبر: 4873)

یہ بھی معمول مبارک تھا کہ روزانہ دو دفعہ تمام ازواج مطہرات کے یہاں تشریف لے جاتے، ان کی خیریت دریافت کرتے اور کچھ وقت ان کے ساتھ گزارتے، ایک تو عصر کے بعد آپ کی تشریف آوری ہوتی: "وکان اذا صلی العصر دار علی نساءہ، فذنا منہن واستقرا احوالہن۔" (بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر: 4918)

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے، اظہار محبت کے لئے ان پر

ہاتھ رکھتے اور ایسا عمل کرتے جس سے تعلق کا اظہار ہو، یہاں تک کہ آخری گھر تک پہنچتے اور جن کی باری ہوتی، ان کے یہاں قیام فرماتے: "قل یوم الا و هو یطوف علی نساءہ فیذنو من اہلہ فیضع یدہ ویقبل کل امرأة من نساءہ حتی یأتی علی آخرہن فان کان یومہا قعد عندها۔" (ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث نمبر: 2135) دوسرے: حجر کے بعد مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور صحابہ استغفادہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ جاتے، پھر جب سورج طلوع ہو جاتا تو ایک ایک بیوی کے پاس تشریف لے جاتے، ان کو سلام کرتے، انہیں دعا دیتے اور جس کی باری ہوتی، ان کے پاس مقیم ہو جاتے۔ (فتح الباری: 15/96)

مغرب بعد معمول مبارک تھا کہ جن زوجہ مطہرہ کی باری ہوتی، آپ ان کے یہاں مقیم ہو جاتے اور تمام ازواج مطہرات و ہیں جمع ہو جاتیں، کبھی کبھی ایک ساتھ اجتماعی کھانا ہوتا، جب آرام فرماتے تو جن کی باری ہوتی، ان کے ساتھ ایک ہی بستر پر اور ایک ہی لحاف میں آرام فرماتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی بیوی کی گود میں سر رکھ کر سہارا لیتے، اگر کوئی زوجہ مطہرہ حیض کی حالت میں ہوتیں، تب بھی ان کے ساتھ بے گانگی کا عمل نہ ہوتا، بلکہ ان کے ساتھ ہی

سوتے: "کان یباشر نساءہ فوق الازار و ہن حیض۔" (مسلم، کتاب النکاح، حدیث نمبر: 294)

عورتوں میں زینت و آرائش کا جذبہ بہ مقابلہ مردوں کے زیادہ ہوتا ہے، اسی لئے شریعت میں انہیں سونا اور ریشم کی بھی اجازت دی گئی ہے، جس سے مردوں کو متبع فرمایا گیا ہے، آپ عورتوں کے اس فطری جذبہ کا بھی پورا خیال رکھتے تھے، حضرت جابر سے روایت ہے کہ ہم لوگ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جب ہم واپس لوٹے اور مدینہ میں داخل ہونا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہر جاؤ، رات ہو جانے دو، تاکہ جن کے بال بکھرے ہوئے ہوں، وہ کنگھی کر لیں اور جسم کو فاضل بال سے صاف ستھرا کر لیں: "حتی تمسشط الشعفة و تستحد المغیبة۔" (ابوداؤد، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: 2778)۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم نے اس کی زکوٰۃ ادا کی ہے؟ اگر تم نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو یہ آگ کے کنگن ہیں، (ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: 1565)۔ ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: 637) یعنی آپ نے کنگن پہننے کو ناپسند نہیں کیا، بلکہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر ناگواری

ظاہر فرمائی، اسی طرح واقعہ اگلی مشہور ہے، جس میں حضرت عائشہؓ کا ایک قیمتی ہار گم ہو گیا تھا، غرض کہ باوجود اس کے کہ آپ کی زندگی نہایت سادہ تھی اور ازدواج مطہرات کے یہاں تیش کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن عورتوں میں زیب و زینت کا جو فطری جذبہ ہوتا ہے، آپ نے اپنی ازدواج مطہرات کے لئے اس کا لحاظ رکھا، تاکہ امت کے لئے نمونہ ہو۔

جیسے شوہر یہ چاہتا ہے کہ بیوی اس کے لئے زیب و زینت اختیار کرے، اسی طرح بجا طور پر عورتوں کو بھی یہ چاہنے کا حق ہے کہ اس کا شوہر اس کے لئے جائز حدود میں بن سنور کر رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں اس کا بھی لحاظ تھا، یوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے حسن سے نوازا تھا، جس کی تاریخ انسانی میں کوئی مثال ہی نہیں، یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق آپ کے رُخ روشن کی روشنی میں بعض ازدواج مطہرات سوئی میں دھاگرہ بھی پہنایا کرتی تھیں، (خصائص الکبریٰ: 1/109) لیکن اس کے علاوہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی آپ کو اس کا لحاظ تھا، آپ زلف مبارک میں تیل لگانے اور کنگھی کرنے کا اہتمام فرماتے، ریش مبارک میں بھی کنگھی کرتے، صاف ستھرے کپڑے پہنتے، کبھی کبھی قیمتی لباس بھی زیب تن فرماتے، حالانکہ آپ کے

پسینے کی خوشبو بھی مشک سے بڑھی ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود آپ عطر کا بھی بکثرت استعمال کرتے اور مسواک کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے۔

مرد ہوں یا عورت، ان میں ایک جذبہ تفریح کا بھی رکھا گیا ہے، آدی جب نئے مقامات کو دیکھتا ہے تو اس کو نشاط حاصل ہوتا ہے، آپ اپنی ازدواج کے معاملے میں اس کو بھی ملحوظ رکھتے تھے اور سفر میں ان کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے، پھر اپنی طرف سے کسی ایک زوجہ کا انتخاب کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کیا کرتے تھے، قرعہ میں جن کا نام نکل آیا، ان کو ساتھ لے جاتے تھے، کبھی ایک ساتھ دو بیویاں بھی ہمراہ ہوتی تھیں: کسان اذا خرج اقرع بین نسائه، فطارت القرعة لعائشة وحفصة۔ (بخاری، حدیث نمبر: 5211، مسلم، حدیث نمبر: 2445)۔ سفر کا رفیق بنانے میں جہاں اپنے تعاون کا پہلو ہے، وہیں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسے مرد تفریح کے لئے جاتے ہیں، جائز حدود میں بیویوں کے لئے بھی اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔

مخلص شریک حیات زندگی وہی ہے جو سکھ کے ساتھ ساتھ دکھ میں بھی شریک ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازدواجی زندگی میں اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا، جس سال ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی وفات

ہوئی، آپ نے اس سال کو ”عام الحزن“ (غم کا سال) قرار دیا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ام المومنین کی علالت کے زمانے میں آپ نے کس قدر محبت و نغمگساری کا معاملہ فرمایا ہوگا، اسی طرح جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ منافقین کے تہمت لگانے کے صدمہ سے بیمار ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خیریت دریافت کرتے رہتے، اور جب وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئیں، ان کے گھر جا کر عیادت کی، آپ خبر گیری کرنے کے ساتھ ساتھ اہل خانہ میں سے بیماروں کو دُعا پڑھ کر دم بھی فرمایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ کے اہل خانہ میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر معوذات پڑھ کر پھونکتے تھے:

کان اذا مرض احد من اهل بيته نفث عليه بالمعوذات۔ (مسلم، کتاب السلام، حدیث نمبر 2192)

بیوی کا ایک اہم حق اس کی مالی ذمہ داریاں ہیں، جس کو اسلام نے شوہر پر لازم قرار دیا ہے، عام طور پر لوگ اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنے کو ثواب کا کام نہیں سمجھتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کی اور ارشاد فرمایا: بہترین صدقہ وہ دینار ہے (سونے کا سکہ) ہے، جو تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو: اعظم الصدقة دینار تنفقہ علی اهلك۔ (مسلم،

حدیث نمبر: 2311) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص اپنی بیوی کو پانی پلائے تو اس میں بھی اجر ہے: ”ان الرجل اذا سقى امراته من الماء اجر“ (مسند احمد، حدیث نمبر: 17195) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب فذک کی باغات سے کھجوریں آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کو ان کی ضرورت کے بقدر نفع عطا فرمادیتے، (المغازی: 1/371) لیکن چونکہ آپ کو اپنی زندگی میں ان لوگوں کے لئے بھی عملی نمونہ پیش کرنا تھا، جو معاشی اعتبار سے کمزور ہوں، اس لئے آپ کی زندگی بہت سادہ ہوتی تھی، اور ازواج مطہرات پوری خوش دلی کے ساتھ اس میں آپ کا تعاون کرتی تھیں، جب وسعت پیدا ہوئی، خوش حالی آئی اور لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوا تو ازواج مطہرات کو بھی خیال ہوا کہ اب ہمارے گھر میں بھی اس خوش حالی کا اثر آنا چاہئے: چنانچہ انہوں نے اجتماعی طور پر آپ سے اس کا مطالبہ کیا، آپ اس پر ناراض نہیں ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں تنبیہ کی گئی اور ان کو اختیار دیا گیا کہ اگر چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات ہونے سے مشرف رہیں یا الگ ہو جائیں، ازواج مطہرات کا یہ مطالبہ خداخواستہ اس لئے نہیں تھا کہ انہیں حضور کی رفاقت عزیز نہیں

تھی، بلکہ انہوں نے گنجائش دیکھتے ہوئے ایک جائز حق کا مطالبہ کیا تھا، اس لئے تمام ہی ازواج اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں اور انہوں نے آپ کی رفاقت کو ترجیح دی، آپ کی حیات طیبہ میں اس طرح کے واقعات اللہ کی طرف سے اس لئے پیش آئے، کہ جو مسائل آئندہ پیش آئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ان کا نمونہ موجود ہو۔

آپ ازواج مطہرات سے بعض اہم امور میں مشورے بھی فرماتے تھے اور ان کے مشوروں کو اہمیت دیتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کو احساس تھا کہ یہ صلح مشرکین کہہ کی شرطوں پر ہوئی ہے اور ایک طرح سے مسلمانوں نے اپنی ہلکت کو تسلیم کر لیا ہے، اس لئے دینی حمیت کے تحت ان کا حال یہ تھا کہ آپ کے یہ اعلان کر دینے کے باوجود کہ ”احرام کھول دیا جائے“ صحابہ نے احرام نہیں کھولا، وہ چاہتے تھے کہ عمرہ کر کے ہی واپس ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے صورت حال بیان کی، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: آپ کسی سے کچھ کہیں نہیں، بلکہ خود باہر نکل کر اپنے جانور کی قربانی کر دیں اور بال منڈانے والے کو بلا کر بال منڈالیں، آپ نے اس مشورہ کو پسند فرمایا اور اسی پر عمل کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ

نے بھی اپنے جانوروں کی قربانی کر دی، بال منڈالیا اور احرام کھول دیئے۔ (بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمسالح مع اہل الحرب و کتابتہ الشروط، حدیث نمبر: 2581)

آپ اس بات کا بھی پورا خیال رکھتے تھے کہ ازواج مطہرات کو آپ کے ذریعہ کوئی تکلیف نہ پہنچے، حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی یا خادم پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا، کبھی ان کے زخار پر ٹھہر نہیں لگایا، نہ آپ کسی کو برا بھلا کہتے تھے، نہ ترش زبانی کرتے تھے، نہ سخت دل تھے: ”ما ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأة له ولا خادماً ولا ضرب بیده شیئاً قط۔“ (ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث نمبر: 2124، نسائی، کتاب عشرة النساء، حدیث نمبر: 9164)۔ اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ ہمیشہ بیویوں کے درمیان عدل کا خیال فرماتے تھے، جس دن جس کی باری ہوتی، اس کے یہاں قیام فرماتے، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے: ”کان یفضل بعضنا علی بعض فی مکثہ عندہن فی القسم۔“ (ابوداؤد، کتاب النکاح، حدیث نمبر: 2135) یہاں تک کہ مرض و فاقات میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقلی

دشوار ہونے لگی تو آپ نے دوسری ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام فرمایا۔

سفر میں ازواج مطہرات کو ساتھ رکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ آپ کو سہولت ہو، صلاحیت و قوت کے لحاظ سے بعض عورتیں سفر کی رفاقت کے لئے زیادہ موزوں ہوتی ہیں: اس لئے آپ چاہتے تو اپنی طرف سے کسی زوجہ مطہرہ کو نامزد فرمادیجئے، لیکن آپ اپنی طرف سے نامزد کرنے کے بجائے ہمیشہ قرعہ اندازی فرماتے اور قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آئے، ان ہی کو اپنے ساتھ لے جاتے، تاکہ دوسری ازواج کو یہ احساس نہ ہو کہ آپ کی ان کی طرف رغبت نہیں ہے۔

عدل و انصاف کے معاملے میں احتیاط کا حال یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ کی ذہانت اور صلاحیت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کی طرف زیادہ رغبت تھی، تو اگرچہ ظاہری سلوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، لیکن قلبی جھکاؤ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں جس چیز کا مالک ہوں، یہ اس میں میری (مساویانہ) تقسیم ہے، لیکن خداوند! جس چیز کے آپ مالک ہیں، میں مالک نہیں ہوں، اس کے بارے میں آپ گرفت نہ فرمائیے: "هذا قسمی فی ما املك فلا تلمی فیما تملك ولا

أملك." (ترمذی 1140)

جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کی ضروریات اور ان کی ولداری کا خیال رکھتے تھے، اسی طرح آپ ان کی تربیت پر بھی متوجہ رہتے تھے، رمضان المبارک کے اخیر عشرے میں ازواج مطہرات کو آخر شب میں بیدار کرتے تھے، تاکہ وہ عبادت میں شامل ہوں: کسان یوقظ املہ فی الشعر الاواخر من رمضان." (ترمذی، کتاب الصوم، حدیث نمبر: 795) حضرت عائشہؓ کو شب قدر کی دُعا سکھائی: "اللهم انک عفو تحب العفو فاعف عنی." (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 3850) ایک موقع پر حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ گن کر خرچ نہ کرو، تاکہ تم کو بھی اللہ کی طرف سے حساب کتاب سے گن کر نہ ملے۔ یعنی خوب خرچ کرو، تاکہ اللہ کی طرف سے خوب ملے: "انفقی ولا تؤکسی فیؤکسی علیک." (اتحاف المہویة: 10/3، حدیث نمبر: 2131، بخاری، کتاب الہبۃ، حدیث نمبر: 2451)

جہاں آپ نے ازواج مطہرات کو عبادت کی تلقین فرمائی، وہیں غلو سے منع بھی فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے یہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان رسی باندھی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا

سبب پوچھا، عرض کیا گیا: یہ حضرت زینب نے باندھ رکھی ہے، جب نماز پڑھنے کے دوران مکان ہو جاتی ہے تو اس سے لگ جاتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور حکم دیا کہ اسے کھول دو، جب تک نشاط ہو، اس وقت تک نماز پڑھو، اور جب نشاط نہ ہو، اس وقت چھوڑ دو۔

(بخاری، حدیث نمبر 1099)

غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے زندگی کے دوسرے شعبوں میں انسانیت کے لئے آئیڈیل تھے، اسی طرح اپنی ازدواجی زندگی میں بھی ایک عبت کرنے والے شفیق و کریم، قدروان، مزاج شناس اور بردبار شوہر تھے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے نمونہ تھے اور زندگی کے ہر شعبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے، اس لئے آپ کی نجی زندگی کا ریکارڈ بھی اللہ کی طرف سے محفوظ ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ بے حد رحمتیں نازل فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیویوں اور امت کی محسن ماؤں پر، کہ انہوں نے قیامت تک آنے والے صاحب ایمان بیٹیوں اور بیٹیوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اُسوہ کو پیش فرمایا اور نجی زندگی کی جو باتیں نقل کی جاسکتی تھیں، ان کو بھی ذکر کرنے میں کسی تکلف سے کام نہیں لیا، رضی اللہ عنہم درین۔ □□

# رحمۃ للعالمین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد

## ابتداء وحی و عطاء نبوت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت کی برائیوں سے خود دور تھے البتہ معاشرہ میں جو برائیاں تھیں اس پر بے چین رہتے تھے، خاص طور سے عربوں میں پھیلی ہوئی شرک و بت پرستی کو آپ بری طرح ناپسند کرتے تھے، خود آپ ہمیشہ شرک و بت پرستی کی لعنت سے دور رہتے، اور کعبہ میں داخل کئے گئے ہتوں کے ساتھ جو شرکیہ اعمال ہوتے اس سے بے چین رہتے تھے۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک خاص حکمت تھی کہ آپ اہل کتاب سے دور رہے اور ان کے پڑھنے لکھنے کے ماحول سے بھی قریب نہیں ہوئے چنانچہ آپ کی صفات میں سے ایک خاص صفت "امی" (آن پڑھ) ہونا بھی ہے، یعنی وہ شخص جس نے کسی سے پڑھنا لکھنا نہ سیکھا ہو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی لقب ہیں، اگرچہ کہ آپ نے کسی سے پڑھنا لکھنا

نہیں سیکھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 40 سال کی ہوئی تو آپ تنہائی پسند ہو گئے، اور آپ کے ساتھ خرق عادت واقعات پیش آنے لگے، مکہ کی گھاٹیوں میں جب آپ گزرتے تو شجر و حجر آپ کو السلام علیکم یا رسول اللہ کہتے۔ نبوت سے قبل چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب آنے لگے، آپ جو بھی خواب دیکھتے وہی بیداری میں پیش آجاتے، آپ اس دوران زیادہ تر غار حراء میں قیام کرتے، کئی کئی راتیں وہاں گزار دیتے۔ بالا خرہ دن آیا جب 40 سال مکمل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں تھے وہیں حضرت جبرائیل وحی لے کر آئے، اور سورہ علق کی ابتدائی آیات پہلی وحی کے طور پر نازل ہوئیں، اس واقعہ کے بعد آپ گھر تشریف لائے، وحی اور نبوت کی عظیم ذمہ

داری سے آپ پر غیر معمولی گھبراہٹ طاری تھی، آپ نے گھر بیچ کر حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ چادر اڑھا دیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ آرام آیا تو آپ نے حضرت خدیجہ سے پورا واقعہ بیان کیا، حضرت خدیجہ نے اس وقت آپ کو عجیب الفاظ میں تسلی دی، انہوں نے کہا: "ہرگز نہیں، یہ تو خوشخبری ہے، خدا کی قسم، اللہ آپ کو کبھی ناکام نہیں کرے گا، خدا کی قسم آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سچ بات کرنے والے ہیں، دوسروں کے بوجھ کو اٹھانے والے ہیں، محروموں کو کما کر دینے والے ہیں، مہمان نواز ہیں، اور لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔" (صحیح بخاری)

اس حدیث کی تشریح میں علماء نے کہا ہی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت اور وحی کی ذمہ داری ڈالے جانے پر تشویش کا اظہار کیا کہ مجھ پر اتنی بڑی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور میری قوم کے حالات شرک اور کفر کے اتنے بدترین ہیں، یہ کام کیسے ہوگا، اس پر حضرت خدیجہ نے تسلی میں یہ الفاظ کہے کہ جب آپ کے اتنے اعلیٰ اخلاق ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ جیسی کسی ہستی کو ناکام نہیں کرے گا، آپ اپنے کام میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کی پیشین گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی اور جس کام کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپا تھا وہ کام پورا ہوا، اور کفر و شرک

کی تاریکیوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ  
مٹایا اور ایمان کے نور سے دنیا کو منور کر دیا۔

## مقصد بعثت

اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء کی  
بعثت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت  
کو بندوں تک پہنچائیں، اور اپنی قوم کے  
سامنے اس ہدایت کا عملی نمونہ پیش کریں اور  
ہدایت الہی کی روشنی میں اپنی قوم کی تربیت  
کریں۔ نبی آخر الزماں سیدنا محمد رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا بھی یہی مقصد  
ہے، البتہ انبیاء سابقین کسی ایک قوم کی  
جانب بھیجے جاتے تھے جب کہ خاتم النبیین  
محمد الامین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام بنی  
نوح انسان کی جانب ہے، آپ آخری  
پیغمبر ہیں، آپ پر نازل کی گئی کتاب  
ہدایت قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب  
ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت  
آخری شریعت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس  
لئے ہوئی ہے تاکہ آپ انسانوں کو شرک اور  
کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی  
روشنی میں لائیں اور قوموں اور بادشاہوں  
کے ظلم و جور سے نکال کر اسلام کے عدل و  
انصاف میں داخل کریں، اور انسانیت کو صراط  
مستقیم کی جانب رہنمائی کریں اور آپ صلی  
اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس لئے ہوئے تاکہ  
آپ دین حق کو تمام ادیان پر غالب کر دیں۔

قرآن کہتا ہے کہ ”وہ اللہ ہی ہے جس  
نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر  
بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام  
دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین  
ناخوش ہی ہوں۔“ (التوبہ: 33)

اسی طرح قرآن کہتا ہے کہ: (اور اللہ  
تعالیٰ نے اپنے) پیغمبر (بھی بھیجے ہیں) جو  
تمہارے سامنے اللہ کی واضح آیتیں ہیں  
ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے  
آئیں اور جو فرض ایمان لائے گا اور عمل  
نیک کرے گا ان کو جنت کے باغات میں  
داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی  
ہیں ابدلاً بادان میں رہیں گے، اللہ نے ان  
کو خوب رزق دیا ہے۔“ (الطلاق: 11)

اسی طرح قرآن کہتا ہے کہ ”اے  
اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر  
(آخر الزماں) آگئے ہیں کہ جو کچھ تم  
کتاب (الہی) میں سے چھپاتے تھے وہ  
اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کھول کر  
بتا دیتے ہیں اور تمہارے بہت سے قصور  
معاف کر دیتے ہیں بے شک تمہارے پاس  
اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی  
ہے۔ جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو  
نجات کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم  
سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی  
طرف لے جاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے  
پر چلاتا ہے۔“ (المائدہ: 15-16)

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ ”اے اہل

کتاب پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ جو  
(ایک عرصے تک) منقطع رہا تو (اب)  
تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آگئے ہیں جو تم  
سے (ہمارے احکام) بیان کرتے ہیں  
تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری یا  
ڈر سنانے والا نہیں آیا سو (اب) تمہارے  
پاس خوشخبری اور ڈر سنانے والے آگئے ہیں  
اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (المائدہ: 19)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ذمہ  
داری کو ادا کرنے کے لئے آپ جن ذرائع  
سے کام لیں گے ان کے بارے میں قرآن  
کہتا ہے کہ ”وہ اللہ ہی ہے جس نے ان  
پڑھوں میں ان ہی میں سے (محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم) کو پیغمبر (بنا کر) بھیجا جو ان کے  
سامنے اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں، اور ان کا  
ترکیہ کرتے ہیں، اور انہیں (اللہ کی) کتاب  
اور حکمت سکھاتے ہیں، اور اس سے پہلے تو  
یہ لوگ مرتج گرا ہی میں تھے۔“ (الجمعة: 2)

اسی طرح نبی امی کے کاموں کے  
بارے میں قرآن کہتا ہے: ”وہ انہیں نیک کام  
کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے  
ہیں۔ اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال  
کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام  
ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان  
(کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے  
ہیں۔ تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی  
رفاقت کی اور انہیں مدد دی۔ اور جو نوران کے  
ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی۔ وہی مراد

پانے والے ہیں۔“ (الاعراف: 157)

مقصد بعثت پورا کرنے کیلئے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی

انبیاء علیہم السلام کی جب بعثت ہوتی

ہے اور وہ حق کی دعوت لے کر اپنی قوموں

کے پاس آتے ہیں تو عام طور پر قومیں انبیاء

کی مخالفت کرتی ہیں، باوجود اس کے کہ

قومیں انبیاء کے اخلاق و کردار اور ان کی

شفقت و ہمدردی کی معترف ہوتی ہیں،

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو

دعوت دی وہ بھی آپ کو اپنے لیے سرمایہ

افتخار سمجھتے تھے، اور آپ کو صادق و امین کہتے

نہیں سمجھتے تھے، لیکن جب آپ نے بھی حق

کی دعوت دی تب آپ کی بھی سخت مخالفت

کی گئی، بلکہ یہ بھی منقول ہے کہ تمام انبیاء

میں آپ کو سب سے زیادہ اذیتیں پہنچائی

گئیں، مجنون، ساحر، کاذب کہا گیا، دست

درازی کی گئی، زد و کوب کیا گیا، راستہ میں

کانٹے بچھائے گئے، شہب ابی طالب میں

قید کر دیئے گئے اور پتے چبانے پر آپ کو

اور آپ کے ساتھیوں کو مجبور کر دیا گیا،

طائفہ میں آپ پر پتھر برسائے گئے، آپ

کو لوہا بھان کیا گیا، پھر مکہ میں جان لینے کی

سازش کی گئی، آپ وطن چھوڑنے پر مجبور

ہوئے، وطن سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے،

وہاں بھی مخالفین کی جانب سے سازشیں کی

گئیں، ہجرت کے بعد دس سال سے کم

عرصہ میں 71 غزوات ہوئے جن میں

آب بخش نہیں شریک ہوئے، احد میں

داندان مبارک شہید ہوئے، منافقین نے

الگ نقصان پہنچایا، یہود نے عربوں کو نبی

صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر حملہ کرنے

کی دعوت دی، اور جنگ احزاب ہوئی جس

میں آپ نے اور صحابہ نے پیٹ پر پتھر

باندھ کر خندقیں کھودی، مدینہ میں دس

سال گزرے لیکن اس دوران کبھی دو دن

مسلل آپ کے گھر میں لہا نہیں جلا،

سکھور اور پانی عمومی غذا، دودھ اور ستو

بھی میسر ہو جاتا، اور کبھی گوشت بھی کھا لیتے

لیکن بالعموم فاتے کرتے، ان سب

قربانیوں کے باوجود آپ جس منصب پر

فائز کئے گئے تھے ہر قربانی کی قیمت پر اس

مقصد کو پورا کرنے میں لگے رہے اور اس

پورے عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی

کے ذریعہ حق کی دعوت کو پہنچاتے، اسلام

قبول کرنے والوں کو احکام سکھلاتے، ہر

آنے والی وحی کو ان تک پہنچاتے، ان کی

دینی تربیت کرتے، ان کے اخلاق کی صفائی

کرتے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتے،

کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے رہے، ان میں

حلال و حرام سکھاتے رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت اور

قربانیوں کے نتائج

احکام کی خوبصورتی اور عدل و

انصاف کا پہلو صحابہ کی زندگیوں میں اجاگر

ہونا شروع ہو گیا تھا، شرک و بت پرستی کی

تاریکیوں میں پڑ کر انسانیت کے مقام سے

دور جا پڑی قوم جو جھوٹ، دھوکہ، سود اور ظلم

کی لعنتوں کا شکار تھی، جو مردار کھاتی تھی، وہ

قوم تہ حید اور ایمان کی روشنی میں آئی اخلاق

رضیہ سے پاک ہو کر ان میں اخلاق حمیدہ

پیدا ہوئے، خدا سے دور قوم اللہ کی عبادت

گزار بنی، اور بندوں پر ظلم کرنے والے

بندوں کے حقوق اور اپنی ذمہ داریاں ادا

کرنے والے بنے، دنیا اور مادہ پرستی کے

مقابلہ میں آخرت کی فکر کرنے والے بنے،

اسلام کی یہ خوبصورتی دشمنوں میں بھی

متعارف ہونے لگی، اور پھر صلح حدیبیہ کا

واقعہ پیش آیا، جس کو قرآن نے فتح مبین

قرار دیا ہے، کیونکہ عام طور پر لوگوں کو اس

کے بعد ہی اسلام کے عدل و انصاف کے

پہلو اور زندگیوں میں اسلام کے پیدا کردہ

اس صالح انقلاب کو صحیح طور پر جاننے کا

موقع ملا، جس کی وجہ سے لوگ بنی امی صلی

اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اس

نہ صورت دین میں جوق در جوق آنے

لگے، اور پھر جب حدیبیہ کی صلح کو مشرکین

مکہ نے خود توڑا تو حدیبیہ کے موقع پر نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابہ کا

گروہ تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاں

نثاری، وفاداری، احترام اور عقیدت کا ایسا

مظاہرہ کر رہا تھا جس کے بارے میں

مخالفین تک نے کہا کہ اس کی مثال دنیا کے کسی بادشاہ اور امیر کے دربار میں نہیں ملتی۔ مکہ فتح ہوا، جس شہر میں آپ کو اذیتیں دی گئیں، جہاں سے آپ کو ہجرت کرنا پڑا، آپ اسی شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور نہایت عظمت کے ساتھ لیکن عہدیت کاملہ کا اظہار کرتے ہوئے، بندگی کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ کوئی فاتح بادشاہ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں پیش کر سکتا، شہر میں داخل ہوتے ہوئے غرور تکبر سے آپ کا سر اور سینہ تاتا ہوا نہیں تھا بلکہ آپ اپنی سواری پر ایسے بیٹھے تھے کہ آپ کا سر اللہ کے حضور جھکا ہوا تھا، جیسے آپ بیٹھے بیٹھے رکوع میں ہوں، آپ نے عمومی امن کی منادی کر رکھی تھی، کہ جو کوئی ہتھیار اٹھا کر مقابلہ کرنے سے گریز کرے گا اور اپنے گھروں کے دروازے بند رکھے گا اس کے لیے امن عام کا اعلان فرمایا تھا، کعبہ کی کنجی جس کو حجاب کا ذمہ دار خاندان توحید کی دعوت کے بعد کبھی آپ کو دینے کا روادار نہیں تھا، آج وہ کنجی آپ کو دینے پر مجبور تھا آپ نے کعبہ میں داخل ہو کر تمام بتوں کو "جاء الحق وزهق الباطل" کہتے ہوئے توڑا اور کعبہ کو اس لعنت سے پاک کیا، اور وہیں نماز ادا کی، پھر نہایت عدل کے ساتھ اس کنجی کو پھر اسی خاندان کو واپس کیا، اگر اس وقت آپ چاہتے تو ان کو اس سے محروم بھی کر سکتے

تھے، لیکن آپ نے اس سے گریز کیا، اور جن لوگوں نے آپ کو کئی زندگی میں بری طرح سے اذیتیں پہنچائی تھیں وہ سب حرم میں جمع تھے اور بری طرح سے خوف و دہشت کا شکار تھے کہ پتہ نہیں اب ان کے ساتھ کیا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان سب کے لئے عام معافی کا اعلان فرمایا۔

مکہ فتح ہونے کے بعد بھی اس عظیم الشان فاتح کی زندگی کی سادگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ وہ اب بھی اپنے بعثت کے مقصد کو پورا کرنے میں لگے ہوئے تھے، مکہ کے بعد طائف فتح ہوا، پھر آپ مدینہ تشریف لائے، پھر حبشہ کی ہم درپوش آئی، ہرقل کی ایک لاکھ کی فوج کے مقابلہ کے لئے آپ خود تشریف لے گئے، جب اس کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ مقابلہ پر آنے سے گریز کر کے بھاگ گیا، آپ مدینہ واپس تشریف لائے۔

اب اسلام سرزمین عرب کا ایک مسلم اور سب سے بڑا دین بن گیا تھا، سرزمین عرب کا مرکز کعبہ اور بیت اللہ اس دین کے ماننے والوں کے زیر انتظام آ گیا تھا، اس کے بعد عرب اور اطراف سے تمام قبائل آ کر اسلام قبول کرنے لگے تھے۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے حجتہ الوداع کے لئے مکہ تشریف لے گئے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی 23 سال کی

عصمت کا پھل جمع ہوا، ایک لاکھ سے زائد مومنین اس سال حج کے لئے آئے، یہ وہ مقام تھا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں جب کہ اللہ کی جانب سے دین مکمل ہونے کی بشارت سنائی گئی تو آپ نے تمام مومنین کو گواہ کر کے سوال کیا: اَلَا هَلْ بَلَغْتَ؟ یعنی اے مومنو! اللہ تعالیٰ نے رسالت کی جو ذمہ داری مجھ پر ڈالی تھی وہ میں نے پوری کر دی یا نہیں؟ وہ ذمہ داری جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

”يٰۤاَيُّهَا الرُّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ، وَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ، وَاللّٰهُ يَفْصَلُكَ مِنَ النَّاسِ“۔ (المائدہ: 67)

بعثت کے بعد سے ہر لمحہ آپ نے اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں لگایا، نہ صرف وحی پہنچانے میں بلکہ اس کے عملی نفاذ میں خود کو کھپایا، اسی ذمہ داری کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت سوال کیا کہ میں نے وہ ذمہ داری پوری کر دی یا نہیں؟ صحابہ اس سوال کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اس مختصر سوال کا تشریف بخش جواب دیا کہ:

”اِنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَذَيْتَ الْاِمَانَةَ وَنَحَصْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْفِتْنَةَ“۔

یقیناً یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ

نے رسالت کا حق ادا کر دیا، جو امانت آپ کو دی گئی تھی آپ نے اس کو ادا کر دیا، امت کے ساتھ خیر خواہی کا حق آپ نے ادا کر دیا اور ہر طرح کے شکوک و شبہات کے بادلوں کو آپ نے چھانٹ دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کے بعد شہادت کی انگلی کو آسمان کی جانب اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا: اللھم احمد: یعنی اے اللہ آپ بھی گواہ رہیے، یہ ہے وہ واقعہ جہاں آپ کا مقصد بخت پورا ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد امت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس دین کی حفاظت اور اشاعت کا کام انجام دے، جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلنبیغ الشاهد الغائب۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آج کے بعد کہیں تم کفار کی طرح نہ ہو جاؤ کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو اور اس ذمہ داری کو بھول جاؤ۔

مرض الوفاة اور دنیا سے رحلت فرمانے کا تذکرہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے مدینہ منورہ واپس ہونے تو ایسے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابہؓ نے سمجھ لیا تھا کہ اب آپ کے وصال کا وقت قریب ہے، ماہ صفر کے اواخر میں آپ کی علالت کا آغاز ہوا، علالت کی شدت بڑھنے تک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے پاس باری پوری کر رہے تھے، البتہ جب مرض شدت اختیار کر گیا اس وقت آپ حضرت میمونہ کے حجرہ میں تھے، آپ نے تمام ازواج سے اجازت چاہی کہ اب اپنی علالت کا زمانہ حضرت عائشہ کے یہاں گزاریں گے جس کو سب نے بخوشی منظور کیا، حضرت عائشہ کے حجرہ میں آپ نے اس مرض کے دوران فرمایا کہ خیر میں جو زہریلا کھانا (یہودیوں کی جانب سے) مجھے دیا گیا تھا اس کی تکلیف میں اس وقت تک محسوس کر رہا ہوں۔

اس دوران بھی آپ نے بعض اہم کاموں کو انجام دیا، مثلاً حضرت اسامہ بن زید کو ایک لشکر کا امیر بنا کر شام روانہ کیا، علالت کے دوران بھی آپ امت کے حق میں ہدایت و نصرت اور توفیق کی خصوصی دعا کا اہتمام فرماتے، اور ذاتی سر بلندی اور تکبر سے بچنے کی ہدایت فرماتے۔

مرض کی شدت میں اضافہ ہوا تو طبیعت بھاری ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی، جواب دیا گیا کہ آپ کے انظار میں ہیں، یہ نماز عشاء کا وقت تھا، پھر آپ نے نماز کے لئے اٹھنے کی کوشش کی لیکن آپ پر غشی طاری ہو گئی، کچھ دیر میں جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے پھر پوچھا کہ کیا سب نے نماز پڑھ لی، جواب دیا گیا کہ یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سب آپ کے مختار ہیں، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو پیغام بھجوایا کہ وہ نماز کی امامت کریں چنانچہ ان دنوں میں حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھاتے رہے۔ ان دنوں ایک موقع پر آپ کی طبیعت میں کچھ آفاقہ ہوا تو آپ ظہر کی نماز میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے مسجد میں آئے، حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے لیکن جب انہوں نے آپ کی آمد کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے، آپ نے اشارہ سے منع کیا اور ان دنوں حضرات سے آپ نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے برابر بٹھادیں، حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھاتے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز ادا کی۔

ان ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم الرفیق الاعلیٰ دوہراتے، ان ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقع پر تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر پہلے احد کے شہداء اور شہداء کے لئے دعا فرمائی اور پھر آپ نے فرمایا: ان عبداً من عباد اللہ خیرہ اللہ بین الدنیا و بین ما عنده فاختر ما عند اللہ۔ کہ اللہ کے ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اختیار دیا کہ چاہے تو وہ دنیا کو چھوٹے یا ان چیزوں کو جو اللہ کے پاس ہیں (یعنی اس زندگی کے بعد) تو اس بندہ نے دنیا کے مقابلہ میں اللہ کے پاس کی چیزوں کو چنا

(یعنی دنیا سے جانے کو قبول کر لیا) حضرت ابو بکرؓ اس ارشاد پر سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خود اپنے بارے میں بات کر رہے ہیں اور یہ سمجھ گئے کہ آپ کے وصال کا وقت قریب ہے اور وہ رونے لگے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ہماری جانیں اور ہماری اولاد سب آپ پر فدا ہیں یا رسول۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: کوئی شخص ایسا نہیں جس نے مجھ پر اپنی جان و مال سے ابو بکرؓ جیسا احسان کیا ہو، اگر میں کسی کو غلیل بناتا تو وہ ابو بکرؓ کو بناتا لیکن اسلام، محبت اور اخوت کا رشتہ سب سے افضل ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مسجد (نبوی) میں جو دوسروں کے درپچہ ہیں ان سب کو بند کر دو سوائے ابو بکرؓ کے درپچہ کے کہ اس کو چھوڑ دو۔

اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض اور آپ کے وصال کے اندیشہ سے انصار کے رونے کی آپ کو اطلاع ملی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خاص وصیت کی کہ انصار کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کی ذمہ داری انہوں نے پوری کی لیکن ان کی ذمہ داری دوسروں پر باقی ہے، ان کے اچھے اور صالح لوگوں کی باتوں کو قبول کرنا اور ان میں کسی سے قصور ہو تو اس سے درگزر کرنا۔

مرض بہت شدید ہوا تو آپ حجرہ مبارکہ تک محدود ہو گئے، اس دوران جب کہ صحابہ ایک موقع پر نماز باجماعت ادا کر رہے تھے آپ نے پردہ اٹھا کر اس کا

مشاہدہ کیا اور اس منظر کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، آپ کا چہرہ نور چمک اٹھا، آپ مسکرائے اور ہنس پڑے، آپ کی اس کیفیت پر ہماری نظر پڑی اور ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم حالت نماز میں آزمائش میں نہ پڑ جائیں اور بے قابو نہ ہو جائیں آپ نے نماز پوری کرنے کا اشارہ کیا، اور پردہ گرا دیا۔ اور اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ رحلت کا وقت قریب ہوا تو آپ کے اوپر ایک چادر تھی، کبھی آپ چہرہ کو اس سے ڈھانک لیتے جب تکلیف ہونے لگتی تو اس کو چہرہ سے ہٹا دیتے، اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قاتل اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد۔ (موطا امام مالک) یعنی اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو جاہ کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔

وفات کے قریب آپ کی زیادہ تر وصیت نماز کی تاکید اور ماتحتوں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تھی۔ آپ یہ الفاظ الصلاة و ماملکت ایمانکم برابر ادا کرتے رہے یہاں تک کہ زبان سے ان کا ادا کرنا مشکل ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر معوذتین پڑھ کر دم کیا، آپ نے اس حالت میں ہی اچھی طرح مسواک کیا، پھر آپ نے پانی میں

ہاتھ ڈال کر اس کو چہرے پر پھیرا اور فرمایا: لا اله الا الله ان للموت سكرات. آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے، آپ نے بائیں انگلی اوپر اٹھائی اور فرمانے لگے: نفسی الرفیق الاعلیٰ۔ (سب سے اعلیٰ و برتر رفیق کے پاس) یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بروز پیر 12 ربیع الاول 11ھ کو ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ پورا جزیرۃ العرب آپ کے زیر نگیں تھا، بڑے بڑے بادشاہوں پر آپ کا رعب تھا، آپ کے صحابہ آپ پر اپنا سب کچھ اپنی جان و اولاد نثار کرنے کو تیار رہتے تھے، لیکن آپ کے پاس نہ ایک دینار تھا نہ ایک درہم تھا، نہ کوئی غلام نہ باندی آپ کی ملکیت تھی، صرف آپ کا ایک سفید نچر، آپ کے ہتھیار تھے، مرض الوفاۃ میں آپ کے پاس چھ یا سات دینار تھے آپ نے وہ بھی صدقہ کر دیئے تھے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَبَّادِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا عَبَّادَكَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَالسَّلَامُ

□□□

## مسلم خواتین کے ساتھ حکومت کی ہمدردی

مسلم خواتین کا حکومت وقت سے سوال ہے کہ اگر آپ ہمارے ساتھ ہمدردی و بہی خواہی اور ہمیں انصاف دلانے میں سنجیدہ ہیں، تو طلاق ملاحہ کی منسوخی کے ذریعہ سے ہی یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا جیسا کہ آپ نے پہلے سوچا تھا، اس سے تو ہماری پریشانیوں اور ہمارے ساتھ ہونے والے مظالم کی فہرست میں اضافہ ہی ہوگا، بلکہ اس کے دوسرے راستے ہیں جو آپ کی نظروں سے اوجھل ہیں یا ان سے آپ صرف نظر کر رہے ہیں، اور وہ یہ ہیں: ہماری تعلیمی اور معاشی پسماندگی دور کرنے کی کوشش کریں، عزت و ناموس کی حفاظت کے ساتھ حصول تعلیم کا محسوس انتظام کریں اور ملک کے اندر امن و امان کو یقینی بنائیں، تاکہ ہمیں راستہ چلتے اور سفر کے دوران اپنی عزت و ناموس لٹ جانے کا اندیشہ نہ رہے، آپ طلاق ملاحہ جو کہ الہی قانون ہے۔ منسوخ کرنے کا فیصلہ کرنے کے بجائے بلاوجہ تین طلاق دینے والے مردوں کو سزا کا بل پاس کریں۔ ہم سب ہندوستانی مسلم خواتین بلکہ دوسری

ہندوستانی بہنوں کو بھی شریک کر کے وزیراعظم نریندر مودی جی سے درخواست گزار ہیں کہ آپ ہم ہندوستانی خواتین کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنے کے بجائے، پہلے اپنی بیوی جسودا بین مظلوم کو انصاف دلا کر ہمدردی کا ثبوت دیں، آخر میں اس مظلوم بیچاری کا کیا جرم ہے کہ آپ نہ ان کو طلاق دے رہے ہیں اور نہ ہی ان کو شوہر کی رفاقت دے رہے ہیں، آپ ان مظلوم ہندوستانی بہنوں کو انصاف کیوں نہیں دلا رہے ہیں جو بشمول آپ کی اہلیہ جسودا بین گذشتہ 38 سالوں سے اپنے شوہروں سے دور ہیں، اور وہ تنہائی و بے کسی کی زندگی بسر کر رہی ہیں، اور بڑی تکلیف دہ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ہم مسلم خواتین کی ان لوگوں سے بھی درخواست ہے جو مسلم خواتین کو حقوق دلانے کی باتیں کر رہے ہیں کہ وہ ریاست گجرات کی مظلوم بہن جسودا بین کو انصاف دلا دیں اور جلد دلا دیں، پورے ملک کی خواتین آپ کی شکر گزار ہوں گی۔ لہذا فکر یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا اور نہ

اس کو انصاف دے سکتا ہے، تو بھلا وہ مسلم خواتین کو کہاں انصاف دلا سکتا، جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ ہمدردی اور انسانیت کا سلوک نہیں کر سکتا، وہ دوسری خواتین کے ساتھ ہمدردی کیسے کر سکتا؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلم خواتین کو ہرے باغ دکھا کر ان کے ایمان کا سودا کرنا چاہتے ہیں، یا اس کے پس پردہ اپنا سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں یا ان کو مسلمانوں کی شریعت سے دشمنی ہے، اس لیے ان کے مذہب کو مسخ اور منسوخ کرنا چاہتے ہیں، اور انشاء اللہ یہ قیامت کی صبح تک ہونے والا نہیں۔

ہم مسلم خواتین ایک بار پھر ان لوگوں سے اپیل گزار ہیں جو مسلم خواتین کو انصاف دلانے کی بات کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہمدردی کے چند بول بول رہے ہیں، تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے مذہب اسلام نے ہمیں پورے حقوق دیئے ہیں، ہم خواتین عرصہ دراز سے ہر میدان زندگی میں دہائی و کچلی جاتی تھیں، ہمیں اپنے حقوق سے محروم کیا جاتا تھا، معاشرہ میں ہماری کوئی حیثیت نہیں تھی، یہاں تک کہ اسلام آیا، اس نے ہمارے مقام کو بلند کیا، ہمارے کھوئے ہوئے حقوق کو واپس کرایا، انسانی سماج میں ہمیں عزت دی اور ہمارے وقار کو بحال کیا۔ ہماری دوسری بہنوں کی فکر کریں، جنہیں نہ ان کو ان کے مذہب نے انہیں حقوق دیئے اور نہ حکومت وقت، چنانچہ

ہندو دھرم شاستروں میں لڑکا دینے والی عورت (بیوی) کی عزت و احترام ہے، لڑکی دینے والی عورت کا نہیں، ہندو معاشرہ میں عورتوں کو میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں آٹھ قسم کی شادیاں ہوتی ہیں: برہم، دیویا، ارش پیاہ وغیرہ۔ ان پیاہوں میں لڑکی کی مرضی شامل نہیں ہوتی، جب کہ مسلم شادیوں میں لڑکی کی مرضی شامل ہوتی ہے۔ نیز ہندو دھرم میں چار نکاح ایسے اٹوٹ ہوتے ہیں کہ ان کو طلاق نہیں ہو سکتی۔ امام بیروٹی نے کتاب الہند میں صفحہ 273 بر لکھا ہے کہ عورت کا شوہر مر جائے تو وہ عورت دوسری شادی نہیں کر سکتی، وہ یا تو زندگی بھر بیوہ رہے گی یا پھر شوہر کے ساتھ ہی کو ترجیح دے گی۔ جب کہ اسلام میں مدت وقات گزر جانے کے بعد دوسری شادی کرنے کا حق ہے، شوہر کے ساتھ ہی کو ترجیح دینا اس پر حرام ہے۔ ہندو شاستر میں طلاق کی کوئی گنجائش نہیں تھی اور موت کے علاوہ کوئی اور چیز اس رشتہ کو توڑ نہیں سکتی۔ اب حال میں ہندو لاء میں تبدیلی لاتے ہوئے طلاق کی گنجائش پیدا کی گئی۔ اس کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ ہندو خواتین کو طلاق کے لئے سالوں کو کورٹ کا چکر لگانا پڑتا ہے، پھر بھی وہ شوہروں سے چھٹکارا پانے کے لیے دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں اور انہیں انصاف نہیں مل پاتا ہے۔

یہ مذہبی بات رہی، ویسے بھی ہندوستان کی آزادی کے بعد آئین کے دفعہ 15، اور دفعہ 25 میں اس بات کی مکمل وضاحت کی گئی کہ ہر ہندوستانی شہری کو مکمل مذہبی آزادی ہوگی۔ یہ بنیادی حقوق میں سے ہے اخلاقی حقوق میں سے نہیں۔ 1976ء میں سیکرٹری اسٹیٹ ہوگی۔ جب بات یہ ہے تو حکومت طلاق تلاش اور آئے دن دوسرے مسلم عائلی قوانین میں مداخلت کی نحوس و ناپاک کوشش کیوں کرتی ہے؟ کیا چور دروازہ سے ہمارے مذہبی آزادی کو چھیننا چاہتی ہے؟

مسلم سیاسی مبصرین اور مذہبی رہنماؤں کا خیال ہے کہ طلاق تلاش بہانہ شریعت پر نشانہ، نگاہ کہیں نشانہ کہیں اور، اور طلاق تلاش کی منسوخی یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا پہلا قدم ہے۔ بعض سیاسی مبصرین کا بیان ہے کہ وزیراعظم مودی جی اپنی ناکامیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اور ڈھائی سالہ دور حکومت میں اپنے وعدوں کو پورا نہ کر پانے کی باتیں چھپانے کے لیے ایسا کر رہے ہیں: تاکہ قریبی مدت میں مختلف ریاستوں میں جیسے اتر پردیش، اتر اچھنڈ، پنجاب اور گوا میں ہونے والے انتخابات میں اکثریتی فرقہ سے ووٹ حاصل کر سکیں اور بعض دوسرے سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ وزیراعظم مودی جی اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے لوگوں کی توجہ کو ہٹانے کے لئے طلاق تلاش کے مسئلہ کو چھیڑا تھا، اس

مسئلہ میں جس تیزی اور چستی کا مظاہرہ کیا تھا، اگر یہی تیزی اور چستی دوسرے عوامی مسائل اور اچھے دن دکھائے تو کتنا اچھا ہوتا اور ملک مزید ترقی کی راہ پر گامزن رہتا اور ملک میں امن و امان قائم ہوتا اور لوگوں کو مضطرب سانس لینے کا موقع فراہم ہوتا۔ دراصل لوگوں کو اپنے اصل بنیادی مسائل سے توجہ پھیرنا چاہئے ہیں، تاکہ عوام کو مہنگائی یاد نہ رہے، اس سرکار میں دلتوں اور مسلمانوں پر ہونے والے مظالم بھی یاد نہ رہے، اور مسلمان گجرات اور مظفرنگر کے فساد کو بھلا دیں۔ اور مودی جی کا گن گاتے ہوئے انہیں آنے والے الیکشن میں ووٹ دیں۔

بہر حال اگر حکمران پارٹی مسلم خواتین کے ساتھ ہمدردی کے اظہار میں لگی ہے، اور ان کو انصاف دلانے کا عزم مصمم رکھتی ہے، اور ان کے وقار کو بحال رکھنے میں سنجیدہ ہے جیسا کہ ان کے نمائندوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، تو حکمران پارٹی کو سپریم کورٹ کے مطالبہ پر حلف نامہ داخل نہیں کرنا چاہئے تھا، بلکہ سپریم کورٹ کو توقف کرنے کا حکم دیتی، اور یہ کہتی کہ یہ چند مسلم خواتین کا انفرادی معاملہ ہے، اس کو نظیر بنا کر پوری ہندوستانی مسلم خواتین کے بارے میں اس وقت تک کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں جب تک آل انڈیا مسلم لاء بورڈ سے مشورہ نہ کر لیا جائے، اس طرح حکمران پارٹی آل انڈیا مسلم پرسنل

لاہ بورڈ کے ذمہ داروں کے ساتھ بیٹھ کر طلاقِ خلافت سے ہونے والے فساد و نقصان کے سدباب کے لئے لائحہ عمل تیار کرتی تو کتنا اچھا ہوتا، اور آئندہ ایکشن میں انہیں اس کا پھل بھی جلد مل جاتا۔

حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی کہ حکومت ایک طرف عورتوں کے ساتھ ہمدردی کا دم بھرتی ہے اور دوسری طرف ان کے ساتھ بے عزتی کا معاملہ کرتی ہے، اس وقت نئے ٹوٹ کے حصول کے لیے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شانہ بہ شانہ قطار میں نظر آتی ہیں، دھوپ کی تپش برداشت کرتی ہیں، دھول سے گرد آلود ہوتی ہیں، کبھی اٹھتی ہیں تو کبھی بیٹھتی ہیں، پر کسی پہلو چین نہیں، ممبر کا بڑا امتحان ہوتا ہے، بلکہ سچ پوچھتے تو صبر کا پیمانہ لیریز ہو کر رہ رہ کر چھلک اٹھتا ہے، راستہ چلنے والوں کو دیکھ کر ترس آتا ہے، لیکن ہمارے وزیرِ اعظم صاحب کو ذرہ برابر رحم نہیں آتا، معلوم نہیں ان کا دل پتھر کا ہے یا لوہے کا، یہ ہے ان کا عورتوں کے ساتھ ہمدردی کا کھوکھلا دعویٰ۔ اللہ تعالیٰ سے ہی شکوہ اور دعا گو ہوں کہ انہیں ہدایت سے سرفراز فرمائے اور صحیح سمجھ عطا فرمائے اور صنفِ نازک کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## رضوان کے سالانہ خریداریوں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (نی شتارہ صرف بیس روپے) اور سالانہ خریداری (200/- روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے پیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریداری بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریداری اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقم ”ادارہ رضوان“ کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداریوں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زرسالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور مئی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے از زرسالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہذا سالانہ خریداریوں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زرسالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ”رضوان“ خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کوشش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ”رضوان“ کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کا خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

**Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18**

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتے میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

# جھوٹ بولنا منافقت کی نشانی

کا ہوم ورک نہ کرنے پر والدہ ڈائری میں نوٹ لکھ کر بھیجتی ہیں کہ بچے کے دادا اسپتال میں داخل تھے اس لیے میں ہو ورک نہ کروا سکی۔ گھریلو ملازمین کے پاس تو بہانہ ہی یہ ہوتا ہے کہ بچہ بہت بیمار تھا اس لیے چھٹی کرنی پڑی۔ ایک استانی صاحبہ مہینے میں دو چھٹیاں ضرور بچے کی بیماری کے بہانے لیتی تھیں، آخر ہم لوگوں نے انہیں سمجھایا کہ بچے کی بیماری کا بہانہ بنا کر جھوٹ مت بولو ورنہ اس جھوٹ کی وجہ سے اللہ رب العزت ناراض ہوگا اور حقیقت میں (خدا نخواستہ) بچہ بیمار پڑ جائے گا۔ ساس بہو سے کھانا بہانے کا کہے تو جھوٹ سے بہو کمر لے کر بیٹھ جاتی ہے کہ ساری رات منے نے جگایا ہے، روتا رہا ہے، گود میں لے کر بیٹھی رہی ہوں۔ بیٹا باپ سے کہتا ہے کہ دوست کے ساتھ مل کر امتحان کی تیاری کرنے جا رہا ہوں جب کہ وہ تو کسی اور سرگرمی میں مصروف ہوتا ہے۔ اکثر گھرانوں کا سکون غارت اس لیے ہوتا ہے کہ ساس ہر ایرے غیرے سے بہو کی لگائی بھائی میں اور بہو آس پاس ساس نند کی لگائی بھائی میں مصروف ہوتی ہیں اور سننے والے دو اور جھوٹی باتیں اپنی طرف سے ملا کر آگے پہنچا دیتے ہیں۔ غرض کہ معاشرے کی اکثریت اس وبا میں مبتلا ہے۔ اس طرح بندہ چھوٹے چھوٹے جھوٹ بولتے بولتے اتنا عادی ہو جاتا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”چار باتیں ہیں کہ جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک ہو اس میں منافقت کی ایک نشانی ہے۔ (1) جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے۔ (2) جب بات کرے، جھوٹ بولے۔ (3) جب وعدہ کرے، توڑ دے۔ (4) جب جھگڑے، تو فحش کلامی اور بدگوئی کرے۔ (بخاری، مسلم)

قرآن اور احادیث میں جھوٹوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ یعنی جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہوا۔ آپ نے جھوٹی قسم کو بڑا گناہ فرمایا ہے۔ (مکتوٰۃ)

دین اسلام ہمیں تجارت، کاروبار، عام معاملات میں لین دین کے سلسلے میں سختی سے جھوٹ سے بچنے کی تاکید، تلقین فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی کے مطابق خرید و فروخت اور لین دین میں جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ بہتری کا نہیں ہے۔ اللہ رب العزت اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ بڑا بد بخت اور سخت گنہگار ہے جھوٹ بولنے والا اور جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنے والا۔ دین اسلام کی تعلیمات سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام صرف کاروبار یا تجارت کے معاملے میں جھوٹ سے پرہیز کی تلقین نہیں کرتا بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں سچائی اور ایمانداری کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن آج انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہماری زندگیوں میں اٹھنے بیٹھنے معمولی نوعیت سے لے کر بڑے بڑے معاملات میں جھوٹ بولنا عام ہو گیا ہے۔ ایسے جھوٹ ہم مذاق، معمولی نوعیت کا یا مصلحت جھوٹ بولنا تصور کرتے ہیں۔ دروازے پر دستک کی آوازیں نہ کرنا بیٹھے سے فرماتا ہے کہ مجھے کوئی پوچھے تو کہہ دینا ابو گھر پر نہیں۔ فون کی گھنٹی سن کر ماں بچوں سے کہتی ہے کہ فون میرے لیے ہوتا کہنا میں سو رہی ہوں۔ دفتر سے چھٹی کرنے پر موصوف دھڑلے سے اپنی بیوی یا بچے کی بیماری کا عذر پیش کرتا ہے۔ بچے کے اسکول

حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”چار باتیں ہیں کہ جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک ہو اس میں منافقت کی ایک نشانی ہے۔ (1) جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے۔ (2) جب بات کرے، جھوٹ بولے۔ (3) جب وعدہ کرے، توڑ دے۔ (4) جب جھگڑے، تو فحش کلامی اور بدگوئی کرے۔ (بخاری، مسلم)

قرآن اور احادیث میں جھوٹوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ یعنی جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہوا۔ آپ نے جھوٹی قسم کو بڑا گناہ فرمایا ہے۔ (مکتوٰۃ)

دین اسلام ہمیں تجارت، کاروبار، عام معاملات میں لین دین کے سلسلے میں سختی سے جھوٹ سے بچنے کی تاکید، تلقین فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی کے مطابق خرید و فروخت اور لین دین میں جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ بہتری کا نہیں ہے۔ اللہ رب العزت اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔ بڑا بد بخت اور سخت گنہگار ہے جھوٹ بولنے والا اور جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنے والا۔ دین اسلام کی تعلیمات سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام صرف کاروبار یا تجارت کے معاملے میں جھوٹ سے پرہیز کی تلقین نہیں کرتا بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں سچائی اور ایمانداری کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن آج انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہماری زندگیوں میں اٹھنے بیٹھنے معمولی نوعیت سے لے کر بڑے بڑے معاملات میں جھوٹ بولنا عام ہو گیا ہے۔ ایسے جھوٹ ہم مذاق، معمولی نوعیت کا یا مصلحت جھوٹ بولنا تصور کرتے ہیں۔ دروازے پر دستک کی آوازیں نہ کرنا بیٹھے سے فرماتا ہے کہ مجھے کوئی پوچھے تو کہہ دینا ابو گھر پر نہیں۔ فون کی گھنٹی سن کر ماں بچوں سے کہتی ہے کہ فون میرے لیے ہوتا کہنا میں سو رہی ہوں۔ دفتر سے چھٹی کرنے پر موصوف دھڑلے سے اپنی بیوی یا بچے کی بیماری کا عذر پیش کرتا ہے۔ بچے کے اسکول

کہ سمجھو "اس کا اوڑھنا پہننا جھوٹ ہی جھوٹ ہوتا ہے" اور اس کی اولاد بھی اس سے "متاثر" ہوتی ہے۔ آج سے سولہ سترہ سال پہلے اپنا اپارٹمنٹ بیچنے کے لیے ایجنٹ سے واسطہ پڑا۔ ہمیں نئے گھر کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی۔ ایجنٹ نے ہماری اس مجبوری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ چار پانچ اپنے ہی بندوں کو لے کر آیا جنہوں نے مارکیٹ ریٹ سے انتہائی کم قیمت لگائی۔ بقول ایجنٹ آج کل اس علاقے کی پراپرٹی کی قیمت گری ہوئی ہے۔ میں نے اپنے شوہر سے خدشہ ظاہر کیا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ سارے اس کے اپنے ہی بندے ہیں، لیکن میرے شوہر نے کہا بدگمانی اچھی بات نہیں۔ آخر مجبور ہو کر ہم نے اس اپارٹمنٹ کو بہت کم قیمت میں ایک خاتون کے ہاتھ فروخت کر دیا جس پر آس پڑوس والے حیران تھے کہ اتنی قیمتیں تو گری ہوئی نہیں ہیں۔ خیر، تین چار مہینے کے بعد اتفاقاً پرانی پڑوسن ملی جس کے ذریعے معلوم ہوا کہ وہ خاتون دراصل ایجنٹ کی اپنی بیوی تھی اور ایجنٹ کی فیملی اس اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو گئی ہے۔ یہ سن کر انتہائی افسوس ہوا کہ ایک بندہ اپنے مفاد کے لیے کتنے جھوٹ بولتا ہے۔ کاروباری لین دین میں جھوٹ کی وجہ سے مال کا، روپیہ کا ہی نقصان ہوتا ہے لیکن زندگی کے دوسرے اہم معاملات خاص طور پر نئے رشتوں کے بندھن کے

لیے لڑکے والوں اور لڑکی والوں کے جھوٹ کی وجہ سے تمام زندگی لڑکے اور لڑکی کی زندگی پر منفی اثرات کے بادل منڈلاتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس کے بڑے سنگین نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ میری ایک دوست کی بہن کو شادی کے پانچ چھ مہینے بعد اپنے شوہر سے خلع لینا پڑا۔ وہن اور اس کے گھر والوں کو معلوم ہوا کہ لڑکا قادیانی ہے۔ جب کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا کہ خفی ہے۔ میں یہاں ایک بچی کی اجازت سے اس کی زندگی کے سب سے بڑے ایسے کو آپ سے شیئر کر رہی ہوں کہ کس طرح جھوٹ کی بنیادوں پر تعمیر کردہ اس کا گھر وندا ریزہ ریزہ ہو گیا۔ شزا ایک ہی نہایت ہی خوشحال اور معزز گھرانے کے اعلیٰ افسر کی لاڈلی بیٹی ہے۔ دوران تعلیم ہی کسی محفل میں ایک لڑکے عرفان (فرضی نام) کی نظر اس پر پڑی۔ والدین کو رشتے کے لیے بھیجنے سے پہلے اس نے شزا کے والدین سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں اس نے اپنے بارے میں جو بتایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ ایک معزز اور معروف خاندان کے ایک بڑے بزنس مین کا M.B.A پاس اکلوتا بیٹا ہے۔ سب سے بڑی بات جس نے شزا کے والدین کو متاثر کیا، یہ تھی کہ عرفان صوم و صلوة کا پابند اور دینی تعلیمات کی پیروی کرنے والا ہے۔ شزا کے والدین کے لیے یہ ایک قابل فخر بات تھی۔

لہذا اس کے والدین جب رشتہ لے کر آئے تو شزا کے والدین نے رضامندی کا اظہار کر دیا۔ شادی کے کچھ عرصے بعد شزا پر یہ بات آشکار ہو گئی کہ بے شک وہ اعلیٰ معزز فیملی سے تعلق رکھتا ہے لیکن وہ اخلاقی طور پر ایک بگڑا ہوا لڑکا تھا جس کی تعلیم صرف B.A. تھی اور اسے باپ کے کمزور بزنس سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مختصر یہ کہ وہ کسی کام کاج کا نہ تھا۔ عرفان کے والدین سوائے ایک مخصوص لگا بندھا جیب خرچ دینے کے، اس کے تمام معاملات زندگی سے لاتعلق تھے۔ انہوں نے بیٹے کی شادی میں اس کے جھوٹ کا ساتھ اس کے مجبور کرنے پر دیا۔ ان کی سوچ یہی تھی کہ بچپن سے ہی وہ نئے کھلونے ضد کر کے حاصل کرتا آ رہا ہے اور جلد ہی اس سے دل بھرنے کے بعد ایک کونے میں ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح اس لڑکی کے ساتھ بھی ہو گا لیکن شزا کوئی کھلونا نہیں بلکہ جیتی جاگتی ایک لڑکی تھی جس کے کچھ خواب تھے، لیکن اس نے خواہوں کی تعبیر حاصل کرنے کے بجائے سمجھوتا کرنے کو اہمیت دی اور عرفان کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ ہم دونوں اپنی ادھوری تعلیم مکمل کر کے کہیں ملازمت کریں۔ لیکن وہ شزا کی تعلیم اور ملازمت کے حق میں بھی نہ تھا۔ آخر اختلافات بڑھتے گئے۔ شزا چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے بہانے بہانے سے ماں باپ سے مطالبہ کرتی۔

بیٹے کی پیدائش کے بعد اس کی ضروریات بڑھتی گئیں، لیکن عرفان کچھ کرنے کو راضی نہیں تھا۔ شزنانے اپنے زیور تک بیچ کر اسے بزنس کے لیے سرمایہ مہیا کیا، لیکن بے سود۔ بلکہ لڑائی، جھگڑوں میں اب عرفان شزا پر تشدد بھی کرنے لگا۔ مجبوراً اس نے اپنے والدین کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ شزنا کے والدین نے بھی عرفان کو سمجھایا کہ جو کچھ ہوا اسے درگزر کرتے ہیں، اب نئے سرے سے اپنے لیے نہیں بلکہ بیٹے کے لیے کچھ کرو اور اپنا طرز زندگی بدلو۔ لیکن بجائے اثر لینے کے اس نے شزا کو تنگ کرنے اور بے عزت کرنے کے لیے نئے نئے حربے استعمال کرنے شروع کر دیے جس کی بنا پر شزا خلع لینے پر مجبور ہو گئی۔ بقول شزنا کے، کوئی عورت طلاق خوشی سے نہیں لیتی لیکن میرے لیے کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ طلاق کے بعد شزنانے اپنی تعلیم مکمل کی اور آج ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ آج وہ اپنے بچے کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہی ہے، اگرچہ اس کے لیے ابھی بھی بہت سی آزمائشیں ہیں لیکن بار بار بے عزت ہونے اور انا کو ٹھیس پہنچانے سے بہتر ہے کہ وہ تنہا زندگی گزارے۔

اس قسم کے واقعات اکثر و بیشتر ہمارے ارد گرد پیش آتے ہیں۔ صرف جھوٹ پر محل تعمیر نہیں کیے جاسکتے۔ یا تو ایسے محل ڈھے جاتے ہیں یا ان کی بنیادیں کمزور

پڑ جاتی ہیں۔ نئے رشتے جوڑتے وقت سچائی اور ایمانداری سے کام لینا چاہیے۔ جھوٹ کے سہارے ہو سکتا ہے اس وقت تو رشتہ جڑ جائے لیکن آگے چل کر اس کے برے اور تلخ نتائج خاندانوں کو ہلا دیتے ہیں۔ نئے رشتوں کو جوڑتے ہوئے دونوں خاندانوں کو چھوٹی سے چھوٹی بات بھی پوشیدہ نہیں رکھنی چاہیے۔ سچائی سے کام لینا چاہیے قسمت اور نصیب میں یہی رشتہ لکھا ہوگا تو ہر صورت میں ہوگا۔ دوسری صورت میں بعد میں معلوم ہونے پر دونوں خاندانوں میں ہی رنجشیں پیدا نہیں ہوتیں بلکہ لڑکے لڑکی کی ازدواجی زندگی میں بھی زہر گھل جاتا ہے۔ میری بیٹی کی جہاں شادی ہوئی ان لوگوں سے میں نے یہ بات بھی شیئر کی کہ میری بیٹی کی نظر کمزور تھی، میں نے اس کا لیزر ٹریٹمنٹ کروایا ہے۔ مجھے سب کہہ رہے تھے کہ یہ بات بتانا ضروری نہیں تھی، لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ انہیں آگاہ کر دوں۔ جھوٹ کے صرف اس دنیا میں ہی نقصانات نہیں بلکہ آخرت میں بھی جھوٹے کا انجام بڑا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، ان کا اسوۂ حسنہ ہم سب کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ نبوت سے پہلے ہی صادق و امین کے لقب سے مشہور تھے۔

جہالت کے دور میں بھی لوگ آپ پر اتنا اعتبار کرتے کہ اپنی امانتیں بھائی بہنوں

کے بجائے آپ کے پاس رکھوانے کو ترجیح دیتے۔ چاہے حجر اسود کا واقعہ ہو یا پہلی مرتبہ عام اسلام کی دعوت دینے والا واقعہ..... کفار نے آپ کی سچائی اور صداقت کی گواہی دی۔ یہی تعلیم امت مسلمہ کے لیے بھی ہے۔ ارشادات ربانی و احادیث نبوی کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ایک مسلمان کو چاہے کاروباری معاملات ہوں یا گھریلو معاملات، جھوٹ سے بچنا لازمی ہے، کیونکہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے بندہ مزید جھوٹ بولتا جاتا ہے اور گناہ کے گڑھے میں اپنے آپ کو ڈھکیلتا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ ایک شخص کو (جو کہ چور تھا) مسلمان ہونے کے بعد آپ نے برائیوں سے بچنے کے لیے جھوٹ سے پرہیز کرنے کو کہا۔ اگلی مرتبہ آیا تو اس نے چوری کی ہوئی تھی لیکن چونکہ اسے سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کی تلقین کی گئی تھی، پوچھنے پر اس نے اقرار کیا کہ اس نے چوری کی واردات کی ہے، جس پر اسے سب کے سامنے بڑی ندامت اور اپنی ذلالت محسوس ہوئی، لہذا اس نے آئندہ چوری کرنے سے توبہ کر لی۔ یعنی جھوٹ کو چھوڑ کر سچائی اپنانے سے دور دوسرے گناہ یعنی چوری سے بھی چھٹکارا پانے میں کامیاب ہو گیا۔

(بقیہ..... صفحہ 39..... پر)

# اسلام کا مقصد جنگ اور صلح میں شاملیوں ایرانیوں اور روسیوں کی جنگ ہلکے مزاج

ہر قربانی اور ایثار کو کوہا رہ کرنا ہے، اور مخالفت کو توڑنا ہے، اور مخالفین کے حملوں کو روکنا ہے۔ جن لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی تحریک صرف اپنے عقائدت کے بل بوتے پر اور اصولوں کی پاکیزگی کی بنا پر کامیاب نہیں ہوتی ہے، بلکہ کامیابی کے پیچھے وہ جماعت ہوتی ہے، جو حق کی حمایت کے لئے عیش و آرام اور جان و مال کو داؤ پر لگا دیتی ہے، یہی مجاہد انذوق ہے جو حق کی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے، مسلمانوں نے مکہ میں سخت ترین مظالم کو برداشت کیا، پھر ایک وقت وہ آیا کہ انہیں ہجرت کرنا پڑی لیکن مدینہ پہنچ کر کے بھی تلواروں کے سائے میں انہیں زندگی بسر کرنی پڑی، راتوں کو چہرہ دینا پڑا، اور انہیں اپنے مذہب اور اپنے سر زمین دونوں کا دفاع کرنا پڑا، حقیقت یہ ہے کہ حق کی راہ دشمن ہے، یہ پھولوں کی بیج نہیں ہے، اسی لئے انسان کو نرم و گرم دونوں قسم کی اخلاق کی حاجت ہوتی ہے، صبر اور ضبط عقود رگزر بڑی خوبصورت اور قابل تعریف صفیتیں ہیں، لیکن

ہمیشہ ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کوئی روشنی نمودار ہوتی ہے، تاریکی اس کو گھٹنے کی کوشش کرتی ہے، جب بھی بہار کا موسم آتا ہے، اور کلیاں کھلتی ہیں اور پھول نکتے ہیں تو خزاں کا بہار پر حملہ ہوتا ہے، جب بھی دنیا کے کسی گوشہ میں حق کی آواز بلند ہوتی ہے تو باطل اس پر حملہ آور ہوتا ہے، اور وظلمت کی یہ کشمکش بہار اور خزاں کی آویزش حق اور باطل کا معرکہ دنیا کی تاریخ میں موجود رہا ہے، اسلام تاریخ انسانی کی سب سے بڑی روشنی اور سچائی ہے، لیکن اسلام کو بھی باطل نے ساتھ کشمکش کا سامنا کرنا پڑا ہے، کچھ لوگ اس نور حق کی حمایت کے لیے کھڑے ہوئے اور انہوں نے ظلمت کی مخالفت میں امکان بھر حصہ لیا، اسی کوشش کا نام اسلام کی اصطلاح میں جہاد ہے، جہاد کا مقصد نہ تو ملک گیری ہے، اور نہ جہاں بانی کا حوصلہ دکھانا ہے، نہ تو بیع پسندانہ پالیسی اختیار کرنا ہے اور نہ نوک شمشیر سے ملکوں کے جغرافیہ بدلانا ہے، مقصد نہ مال غنیمت ہے نہ کشور کشائی ہے، بلکہ حق کی بلندی اور اس کی اشاعت کے لئے

زندگی کے ہر نشیب و فراز میں کام نہیں دیتی ہیں، ایک انگریز مفکر نے بجا طور پر کہا ہے، ”مخل اپنی جگہ پر ایک اچھی چیز ہے لیکن تم اس کو تو برداشت نہیں کر سکتے جو تم کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اور تمہاری گردن قائم کر دینے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔“ نرم اخلاق ایک قابل تعریف اور مثبت صفت ہے، لیکن ہمیشہ زندگی کی باگ ڈور اس کے حوالے نہیں کی جاسکتی، انسان کو اور ہر جماعت کو اپنی تحریک کی کامیابی کے لئے نرمی کے بجائے سختی، عدم تشدد کے بجائے تصدق کا طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے، نیا کی تاریخ میں تلوار کو کبھی بالائے طاقت نہیں رکھا گیا ہندو اوتاروں اور اسرائیلی سرداروں نے بھی اسے بے نیام کیا ہے، مسلمانوں کو بھی جنگیں لڑنی پڑی ہیں، یہ اس لئے کہ کبھی ایسی صورت حال پیش آتی ہے، کہ تمہارا ٹھکانا ایک اخلاقی ضرورت بن جاتا ہے، جب آزادی پر ہر طرف سے حملے ہونے لگیں، جب عبادت گاہیں خطرے میں بڑ جائیں، جب آبرو اور جان و مال کی کوئی قیمت باقی نہ رہ جائے تو محض تماشائی بن کر کے بیٹھا نہیں جاسکتا۔

اسلام نے حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لئے جنگ کرنا جائز قرار دیا ہے، یہ جنگ سلطنت و حکومت کی ہمدردی کرنے کے لئے نہیں کی جاتی، اسلام نے دین کی جبری اشاعت کی بھی ممانعت کی ہے، اور صاف کہہ دیا تھا کہ ”لا اکسراہ فیسی الدین“ (البقرہ) یعنی دین کے معاملے میں

کوئی زبردستی نہیں ہے، دوسری جگہ قرآن میں ہے، انما علی رسولنا البلاغ المبیین۔ (المائدہ) یعنی ہمارے نبی پر یہی فرض ہے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچا دیں، لیکن ہوا یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، پر امن تبلیغ کی بھی اجازت نہیں دی گئی، مدینہ ہجرت کرنے کے بعد بھی باطل کی قوتیں بار بار آپ پر اور آپ کے ماننے والوں پر حملہ آور ہوئیں، ایسی صورت میں بھی اگر آپ مقابلہ نہ کرتے اور تلوار نہ اٹھاتے تو دنیا کے لئے ایسی مثال پیش کرتے جس پر عمل کرنا ممکن نہ ہوتا، اس لئے اسلام نے ایک بلند مقصد کے لئے آخری تدبیر کے طور پر تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور ایک بار جب معرکہ گرم ہو گیا اور جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تو باطل طاقتوں نے مسلسل سازش اور لڑائی کا وطیرہ اختیار کیا، چنانچہ فوجوں کو روانہ کرنے کا ایک سلسلہ شروع ہوا، اللہ تعالیٰ نے مسلمان فوجوں کو فتح یاب کیا، اور دنیا کے بہت سارے ملک اسلام کے زیر نگیں آ گئے، مسلمانوں نے جذبہ جہاد اور شوق شہادت کے ذریعہ دنیا کے بہت سے ملک فتح کئے، ان فتوحات کی داستان اسلامی تاریخ کے حیرت انگیز واقعات ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ فاتحین اسلام کے ایمان پرور اور جوش و حمیت سے لبریز واقعات کو مسلمانوں کی نئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے۔

انسان اگر غور کرے تو محسوس کر لے گا کہ اسلامی عبادات میں یہ ڈسپلین پورے طور پر ہے، نماز میں ڈسپلین اور فوجی تربیت کی شان موجود ہے، وقت کی پابندی فرض شناسی چستی اور محنت، صفوں کی ترتیب اور درستی اور ایک امام کی اطاعت یہ وہ ساری باتیں ہیں جن میں فوجی ڈسپلین موجود ہے، اور پھر جس طرح سے فوجی کیمپ لگتے ہیں اسی طرح سے جہاد عید اور حج کے موقع پر مسلمان ڈسپلین اور نظم و ضبط کے ساتھ جمع ہوتے ہیں، اور جس طرح سے ایک فوجی تکلیف برداشت کرنے کی مشق کرتا ہے اسی طرح سے روزے میں بھی ایک مسلمان بھوک پیاس کی مشق کرتا ہے، گویا ایک مسلمان کی زندگی شروع سے آخر تک جہاد کی تربیت ہے، جہاد کا مقصد کسی سرزمین پر مخالفتوں کا زور توڑ کر کے دلوں پر اللہ کی حکومت قائم کرنا ہے، اور دنیا سے ظلم اور زیادتی کو مٹانا ہے، اور عدل و انصاف کو پھیلانا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے تاریخ میں ایسے نمونے چھوڑے ہیں جن پر اگر دنیا عمل کرے تو ہمیشہ امن و امان قائم رہے، جہاد بمعنی قتال اگرچہ جنگ ہے لیکن اس کا مقصد خوریزی کا انسداد اور امن و امان کا قیام اور دین کے قبول کرنے کے معاملہ میں جبر کو ختم کرنا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے ایسے بہادر، دلیر، جانناز سپہ سالار پیدا ہوئے جن کے کارنامے، دنیا کی تاریخ میں مشعل ہدایت کا کام دیتے ہیں، یہ مجاہدین یہ فاتحین یہ سپہ سالار تلوار کے دمٹی تھے اور راہ

خدا میں جان کے زیاں کو کچھ ایسا زیاں نہیں سمجھتے تھے، بلکہ انسانیت کے خادم تھے، اور ہند گان خدا کے لئے خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ ان کے ہاتھوں سے ضرور کچھ لوگ مارے گئے لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کی لوگ امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں، زمین جو رو ستم سے پاک ہو اور اپنی مرضی سے جو دین اسلام قبول کرے اس پر ظلم نہ ہو۔ اسلام نے جنگ کی اجازت ضرور دی ہے لیکن صرف ان لوگوں سے جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہوں یا آدہ جنگ ہوں یعنی ارادہ جنگ رکھتے ہوں اور اشاعت دین میں مزاحم ہوں اور دین اسلام قبول کرنے والوں پر اور اپنی رعایا پر ہر ظلم روا رکھتے ہوں حالت جنگ میں بھی کوئی صلح کی پیشکش کرے تو اسے قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور حالت جنگ کے بھی اسلام نے وہ اخلاقی قوانین طے کر دیے ہیں جو اس وقت پوری دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے تھے اور اب بین الاقوامی قانون جنگ میں اس کا عکس پایا جاتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو شام کے علاقہ کی ایک مہم پر روانہ فرمایا تو یہ نصیحتیں کیں: کچھ لوگ اپنی عبادتوں میں مشغول ہوں گے ان سے تعرض نہ کرنا، عورتوں کو، بچوں کو اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، کسی پھل دار درخت کو نہیں کاٹنا، کسی آبادی کو نقصان نہیں پہنچانا (صرف فوج سے لڑنا) اگر تمہاری فوج کو غذا کی کمی نہ پیش آجائے اور مجبوری نہ ہو تو کسی کی بکری اور اونٹ کو ذبح نہ

کرنا، کسی باغ کو آگ نہ لگانا، کسی حال میں بدعہدی نہ کرنا اور کسی لاش کا مثلہ نہ کرنا۔

اسلام کے اس فلسفہ جنگ کا موازنہ اس جنگ سے کیجئے جو ایرانیوں اور روسیوں نے بشار جیسے عالم اور خود سر کی حمایت میں اس وقت حلب میں شروع کر رکھی ہے، دنیا کے ملکوں نے تسلیم کیا ہے کہ ان طاقتوں نے جنگی جرائم کا ارتکاب کیا ہے حلب میں قیامت سے پہلے قیام برپا ہو رہی ہے کھلے آسمان سے معصوم شہریوں پر بمباری اور نینکوں سے گولہ باری اور بکتر بند گاڑیوں سے آتش باری کے نتیجہ میں سیکڑوں کئی منزلہ عمارتیں ملبہ کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئی ہیں اور مال و متاع خاکستر ہو رہا ہے کسی گھر سے کوئی آواز آتی ہے تو آدھ کرہا کی، زخمیوں کے فریاد کی، نالہ و دہشوں کی، کوئی اگر کسی شکستہ اور ہمسار شدہ گھر سے زخمی حالت میں کسی کی مدد سے پھالیا جاتا ہے تو طبی مدد کے آتے آتے اس کا تار نفس ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کوئی اس سیلاب بلا سے اور موت کے طوفان سے زندہ سلامت بچا ہوا ہے تو وہ بھی اپنی زندگی سے مایوس ہے اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو کہتا ہے کہ الموت قادم الینفا موت جو مقدر ہے بس اس کے آنے کی دیر ہے، خون کے دریا میں کشتی جاں کو سلامت لے جانا مشکل ہے، ہمارے اہل و عیال موت کے منہ میں جا چکے اور ہم بھی اس دنیا کو چھوڑنے والے ہیں یہ میرا آخری بیان ہے اس کے بعد تم میری آواز کبھی نہیں سن سکو گے۔“ اور صرف اتنا ہی نہیں اور بھی بہت کچھ

ہے جس کا بیان کرنا مشکل ہے، حلب کا شہر نگاراں گنج شہیداں سے تبدیل ہو گیا ہے وہاں کے ایک عمر رسیدہ شخص نے دنیا کے علماء سے فتویٰ پوچھا ہے کہ ایران اور حزب اللہ اور بشار کے جابر و قاہر اور فاسق و فاجر فوجی ہمارے گھروں میں گھس کر زبردستی ہماری بیٹیوں کی عصمت ریزی کر رہے ہیں اور ہم بے بس ہیں کیا اس ننگ و عار سے بچنے کے لئے یہ جائز ہوگا کہ ہم اپنی بیٹیوں کو مار ڈالیں؟“ ملک شام میں موت کی بمیانگ آندھی چل رہی ہے اور دنیا تماشا دیکھ رہی ہے اور مذمت کے کچھ الفاظ بول کر اور لب ہلا کر رہ جاتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں چشم فلک نے جو رستم کے ایسے منظر کم دیکھے ہیں، لوگوں کے پاس کھانے کے لئے ایک دانہ نہیں ہے پینے کے لئے پانی نہیں ہے، کوڑے کے ڈھیر سے وہ اپنی غذا حاصل کر رہے ہیں، تاریخ میں ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ پورا شہر غلامت کے ڈھیر سے اپنی غذا جن رہا ہو۔ عیش و عشرت میں مشغول پڑوسی عرب اسلامی ملکوں میں یہ جرات نہیں کہ شام کو اس ظلم سے بچائیں اگر یہ عرب ملک بھی امریکہ اور روس کی طرح طاقتور ہوتے تو مدد اور مداخلت کی کچھ پوزیشن میں ہوتے۔ ایک ترکی بچا ہے جو ہر وقت بڑی طاقتوں کے نشانہ پر ہے، دنیا اس بات پر متفق ہو چکی ہے کہ کسی مسلم ملک کو مداخلت کرنے نہیں دینا ہے، بلا استثناء غلطی اور غیر غلطی ممالک کا جرم یہ ہے کہ دولت کی فراوانی کے باوجود انہوں نے ملک میں صنعتی انقلاب

لانے کی کوشش نہیں کی نہ سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں ان کی کوئی پیش رفت ہوئی اور نہ انہوں نے اپنے عوام کو اظہار خیال کی ذمہ آزادی دی جو اسلام نے عطا کی تھی انہوں نے اپنے عوام کو بے زبان جانوروں کی طرح بنا کر رکھا ہے، اور وہ بس ہوس رانی اور عیش و نشاط میں گمن رہے۔ اور دنیا یہ مسلمان ملکوں کو پامال کرتی رہی، روندتی رہی، اور ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتی رہی، لیکن ملک شام کے حکمران کا ظلم سب سے سوا ہے اور ظلم کو سب سے زیادہ مدد اور طاقت ایران کی نام نہاد اسلامی حکومت سے ملتی رہی، ایران کا یہ وہ جرم ہے جسے تاریخ معاف نہیں کر سکے گی، ایران کے بے شمار شیعہ مجتہد علماء الجوزیرہ ٹی وی پر یہ بیان دے چکے ہیں کہ شام کے سلسلہ میں ایرانی حکومت کا موقف امام حسینؑ کے روح جہاد کے مضامین کا ہے۔ یہ یزید کی ہموائی ہے لیکن ان کو اپنے ملک کے اندر اظہار خیال کی آزادی حاصل نہیں ہے، ایرانی لابی کے وہ ہندوستانی صحافی بھی مجرم ہیں جو سطور میں اور کبھی بین السطور میں بشار الاسد کی حمایت کرتے ہیں اور جب ظلم کی حمایت سے دل سیاہ ہو جاتا ہے تو ہر ظلم کی حمایت ان کا شیوہ بن جاتا ہے وہ اس ظلم کے بھی طرفدار اور حامی بن جاتے ہیں جسے حکومت جمہوریت کے دعوے کے باوجود غیر جمہوری طور پر ڈاکرنا تک پر روا رکھتی ہے۔ ایرانی لابی کے ایسے تمام صحافیوں کا بائیکاٹ کرنے کی ضرورت ہے۔

(بقیہ..... صفحہ..... 41..... پر)

## ایک المناک ٹرین حادثہ اور اُس کے عبرت انگیز پہلو

# دیکھو جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

دھاوی ندی میں گرے اور سو سے زائد مسافر موت کی آغوش میں چلے گئے، اس سے قبل 2 اگست 1999ء کو مغربی بنگال کے کانسٹبل میں دو مسافر بردار ٹرینوں کے آپس میں ٹکرانے سے 250 افراد ہلاک ہو گئے، 26 نومبر 1998ء میں پنجاب میں ترین حادثہ پیش آیا جب جموں ٹوی سیالہ ایکسپریس پٹری سے اتر گئی جس میں کم از کم 212 افراد جان سے ہاتھ دو بیٹھے، 14 ستمبر 1997ء میں مدھیہ پردیش بلا پور میں حادثہ رونما ہوا، احمد آباد ہاؤس ایکسپریس کے پانچ ڈبے ندی میں گرے جس کے نتیجے میں 81 لوگ ہلاک ہو گئے۔ 20 اگست 1995ء میں اتر پردیش کے فیروز آباد ریلوے اسٹیشن کے قریب برہموت ایکسپریس کالندی ایکسپریس سے ٹکرائی جس میں 400 لوگوں کی موت ہو گئی۔ 1988ء میں دو حادثات رونما ہوئے، 18 اپریل کو یوپی کے ہمت پور کے پاس کرناٹک ایکسپریس پٹری سے اتر گئی جس میں کم از کم 70 ہلاکتیں ہوئیں۔ 8 جولائی کو کیرالہ میں ہوئے ترین حادثہ میں 107 افراد ہلاک ہوئے، جہاں آئی لینڈ ایکسپریس اشتامدی جھیل میں گر پڑی۔

کانپور کا حالیہ ترین حادثہ ان ہی حادثوں میں ایک ہے، یہ ایک انتہائی دلخراش اور دل دہلانے والا حادثہ تھا، حادثہ کے مہلکین اور ان کے متاثرین کے ساتھ بلا تفریق مذہب و ملت سبھوں نے اظہار

پڑے تھے کچھ اتنے نیچے دب گئے تھے کہ ان کے منہ سے زندگی کی آخری چیخ بھی نہ نکل سکی، ترین کے کوچ آپس میں اس شدت سے دھا کہ کے ساتھ ٹکرائے کہ قرب و جوار میں رہنے والے دیہی عوام کی نیند ٹوٹ گئی اور وہ جاگے حادثہ کی جانب دوڑ پڑے، حادثہ کس قدر دلخراش تھا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کچھ لاشیں کھڑکیوں سے باہر لٹک رہی تھیں، کچھ مسافروں کا جسم دو حصوں میں کٹ گیا تھا، چاروں طرف آہ و زاری اور چیخ و پکار فضاء میں گونج رہی تھی، کوچوں سے باہر لٹکے لوگ ترین میں پھنسے اپنے عزیز واقارب کو آواز دے رہے تھے۔

ملک میں ترین حادثات کوئی نئی بات نہیں، 21 مئی 2010ء کو مغربی بنگال کے مغربی مدنا پور ضلع میں نکلسلی حملے میں گیا نیٹھورا ایکسپریس کے پٹری سے اترنے کے حادثہ میں 148 افراد ہلاک ہوئے، 9 ستمبر 2002ء کو بہار کے اورنگ آباد ضلع میں ہاؤس دہلی راجدھانی ایکسپریس حادثہ کا شکار ہوئی جس کے نتیجے میں 14 ڈبے

گذشتہ 20 نومبر 2016ء کو کانپور کے قریب پیش آنے والا المناک ترین حادثہ نے سارے ملک کو سوکڑا بنا دیا، اندازہ پندرہ ایکسپریس کے 14 کوچوں کے پٹریوں سے اتر جانے کے نتیجے میں 150 کے قریب مسافرین ہلاک اور 200 سے زائد زخمی ہو گئے، جن میں 80 کا حال اب تو یسناک بتائی گئی ہے۔ حادثہ کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چار عام پونجر کوچوں کے پرے نیچے اڑ گئے، جن میں سیکڑوں مسافرین پھنس گئے، بعض ڈبے تو ایک دوسرے میں اس طرح کھس گئے کہ ان کی شناخت مشکل ہو گئی، یہ حادثہ رات تین بجے اس وقت پیش آیا جب مسافرین مسافرین کو خواب تھے، جب تک مسافر بیدار ہوتے تب تک کئی زندگیاں ختم ہو چکی تھیں، زخمی مسافروں کے مطابق حادثے کے وقت ایک تیز دھا کہ ہوا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے کوچ تریچھے ہو کر پلٹنے لگے، کچھ ہی لمحوں کے بعد قرب و جوار تک چیخ و پکار مچی، مسافر ایک کے اوپر ایک گرے

ہمدردی کی، میڈیا پر جس نے بھی حادثہ کے دلچسپ مناظر دیکھے وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکا، مہلکین و متاثرین کے افراد خاندان اور پسماندگان پر کیا کچھ قیامت ٹوٹی ہوگی، اسے الفاظ میں نہیں بیان کیا جاسکتا، اس دنیائے آب و گل میں حادثات و آفات کا رونما ہونا کوئی نیا واقعہ نہیں۔ یہ دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے، بڑا سے بڑا حادثہ رونما ہو جاتا ہے، پھر وقت کی تہہ اس پر جم جاتی ہے اور لوگ سب کچھ بھول جاتے ہیں، لیکن عقلمند انسان وہ ہے جو حوادث زمانہ کو وعظ رب سمجھتا ہے، رونما ہونے والے ہر حادثہ سے فافہم فافہم کی صدا آتی ہے، موت و حیات تو ایک اٹل چیز ہے لیکن حادثات اپنے پیچھے عبرت کا ایک پورا دفتر چھوڑ جاتے ہیں، شرط یہ ہے کہ آدمی نگاہ بصیرت اور دیدہ عبرت رکھے ہر گزرنے والا حادثہ شاعری کی زبان میں یوں گویا ہے:

دیکھو جو دیدہ عبرت نگاہ ہو  
حالیہ ترین حادثہ کا سب سے بنیادی پیغام یہ ہے کہ آدمی کو کسی لمحہ موت سے غافل نہیں رہنا چاہئے، موت کا کوئی وقت مقرر نہیں وہ اسی طرح اچانک دیوبچ لیتی ہے کہ آدمی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا، اندر پٹنہ ایک پیریس کے سیکڑوں مسافروں کو اس کا احساس تک نہ تھا کہ یہ ان کی زندگی کا آخری سفر ہوگا، جب وہ اپنے عزیزوں کو الوداع کر رہے تھے کیا انہیں پتہ تھا کہ ان کی یہ الوداع سفر آخرت

کی الوداع ہے، انہوں نے اپنے آرام دہ اے سی ڈیوں میں رات کا کھانا کھایا تھا تو شاید سوچا بھی نہ ہوگا کہ یہ ان کی زندگی کا آخری کھانا ہے، وہ سو گئے تو کیا پتہ تھا کہ وہ مستقل سوئے ہی رہیں گے، انسان کا کون سا لقمہ آخری ہے کچھ کہا نہیں جاسکتا، دولت اور جاہ و منصب پر اترنے والا یہ انسان اچانک ڈھیر ہو جاتا ہے، کھاتے کھاتے موت واقع ہو جاتی ہے، بہت سے لوگ کھڑے کھڑے گر پڑتے ہیں، آدمی قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء جاتا ہے اور اسی دوران دل کا دورہ پڑ جاتا ہے، شہر حیدرآباد کا واقعہ ہے کہ دلہا عقد نکاح کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ موت آگئی اور خوشی کی محفل ماتم کدہ میں تبدیل ہوگئی، موت کسی کا انتظار نہیں کرتی، قرآن مجید میں بار بار کہا گیا: فاذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون۔ (الاعراف: 34) جب ان کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو نہ وہ ایک لمحہ پیچھے ہوتے ہیں اور نہ آگے، اندر سے چلنے والے مسافر کیا کیا ارمان لے پندے تھے، باپ اولاد کے لئے خوشیوں کے سوغات لے کر نکلا ہوگا، کوئی کسی تقریب کے لئے سارے انتظامات کے ساتھ نکلا ہوگا، کسی کی بیوی انتظار میں رہی ہوگی کہ میرے شوہر آئیں گے اور میرے لئے سوغات لائیں گے، بچے باپ کے منتظر رہیں ہوں گے کہ ابو آئیں گے اور بہت کچھ لائیں گے، سب

کے ارمانوں پر پانی پھر گیا، آدمی دنیا کی رنگ رلیوں میں مست رہتا ہے جب کہ وہ کپڑا بازار میں آچکا ہوتا ہے جس میں اسے کفن دیا جانا ہوتا ہے، انسان کو پل کی خبر نہیں ہوتی مگر صدیوں کا سامان جوڑنے میں لگا رہتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نظر سوئے دنیا قدم سوئے مرقد  
کدھر دیکھتا ہے کدھر جا رہا ہے  
قرآن مجید میں کس طبع انداز میں  
اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے: کل نفس ذائقة الموت“ (آل عمران) بندہ مومن کو ہر وقت موت کا استحضار ہونا چاہئے، موت کا دھیان آدمی کو غفلت سے بچاتا ہے، اسی لیے احادیث میں موت کو یاد کرنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے، ارشاد ہے: اکثرُوا ذلکُرْ هَذَا مِمَّا لَلذَّاتِ الْمَوْتِ۔ (ترمذی: 2477)  
لذتوں کو ختم کرنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کرو۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب کے یہ اشعار کس قدر چشم کشا ہیں:

بہر غفلت یہ نری ہستی نہیں  
دیکھ! جنت اس قدر سستی نہیں  
رہ گذر دنیا ہے یہ ہستی نہیں  
جائے عیش و عشرت و مستی نہیں  
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے  
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے  
مال و دولت کا بڑھانا ہے عبث  
زائد از حاجت کمانا ہے عبث  
دل کا دنیا سے لگانا ہے عبث

وہ گذر کو گھر بنانا ہے عیب  
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے  
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے  
 یوں نہ اپنے آپ کو بے کار رکھ  
 آخرت کے واسطے تیار رکھ  
 غیر حق سے قلب کو بے زار رکھ  
 موت کا ہر وقت استحضار رکھ  
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے  
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے  
 تیری غفلت ہے بے عقلی بڑی  
 مسکراتی ہے خزاں سر پر کھڑی  
 موت کو پیش نظر رکھ ہر گھڑی  
 پیش آنے کو ہے اب منزل کڑی  
 ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے  
 کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے  
 ساری بے دینی اور معاشرتی خرابیوں  
 کی جڑ موت اور آخرت سے غفلت ہے،  
 اگر موت اور آخرت پیش نظر رہے تو خود  
 بخود اعمال کی اصلاح ہونے لگے گی،  
 حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے صحیح فرمایا کہ  
 دنیا کو سرائے اور مسافر خانہ اور آخرت کو اپنا  
 گھر سمجھے، اگر ان دونوں باتوں کو خوب  
 ذہن نشین کر لے تو انشاء اللہ ساری مصیبتیں  
 حل ہو جائیں، ساری خرابیاں آخرت  
 بھلانے سے اور دنیا کو پیش نظر رکھنے سے  
 ہوتی ہیں، دنیا پر دین کو مقدم رکھے تو انشاء  
 اللہ تقدیم آخرت کی برکت سے دنیا بھی  
 ٹھیک ہو جائے گی۔  
 حادثہ کا دوسرا سبق یہ ہے کہ یہ اور اس

قسم کے سارے حادثات جو آئے دن پیش  
 آتے رہتے ہیں، آدمی کو شکر خداوندی کی  
 تلقین کرتے ہیں، ذرا غور کیجئے کہ روزانہ  
 بیسیوں افراد اور دنیا بھر میں سیکڑوں لوگ  
 بدترین حادثات کا شکار ہو کر کچھ تو ہمشیہ کے  
 لیے معذور ہوتے ہیں اور کچھ موت کے منہ  
 میں چلے جاتے ہیں، اللہ چاہتا تو ہمیں بھی  
 ان حادثات کا شکار بناتا، لیکن برسہا برس سے  
 ہم اور دیگر لاکھوں افراد سفر کر رہے ہیں اور  
 اللہ نے ہمیں حادثات سے محفوظ رکھا ہے کیا  
 یہ خدا کا کرم نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ سے ہمارا کوئی  
 ایگریمنٹ تو نہیں تھا کہ وہ ہمیں حادثات  
 سے دوچار نہیں کرے گا، ذرا شہر کے بڑے  
 بڑے اسپتالوں کی سیر کیجئے، سیکڑوں لوگ  
 ایسے ملیں گے جن کے گردے ٹیل ہو چکے  
 ہیں، وہ ڈائلیسس کے تکلیف دہ مرحلے  
 سے گزرتے ہیں، کسی کو ہفتہ میں ایک مرتبہ تو  
 کسی کو دو اور تین مرتبہ کروانا پڑتا ہے، دنیا میں  
 ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد ہیں جن کے  
 گردوں کو اللہ نے صحیح سالم رکھا ہے، کیا مقام  
 شکر نہیں ہے؟ اپنے ارد گرد رہنے والوں میں  
 کتنے ہی لوگ ہیں جو ہاتھ پیر سے معذور  
 ہیں، کوئی کینسر جیسے تکلیف دہ مرض میں مبتلا  
 ہے تو کسی کو ہاٹ کی شکایت ہے، ہزاروں  
 افراد ہیں جو نہایت مہلک امراض کا شکار  
 ہیں، پروردگار عالم کا کتنا بڑا احسان ہے کہ  
 اس نے ہمیں ان ساری بیماریوں سے محفوظ  
 رکھا، لیکن بندہ کس قدر ناشکرا ہے کہ وہ اللہ کی  
 ان گنت نعمتیں استعمال کرتا ہے، مگر پھر بھی

اس کی نافرمانی کرتا ہے۔

حادثات پر غور کرنے کا ایک اور رخ  
 ہے، اور وہ یہ کہ بالعموم اُس وقت حادثات  
 میں اضافہ ہوتا ہے جب کسی ملک میں ظلم  
 بڑھ جاتا ہے، اور انصاف کا گلا گھونٹ دیا  
 جاتا ہے، بالآخر قدرت حادثات کی شکل  
 میں انتقام لیتی ہے، اس وقت ہمارے ملک  
 میں دلتوں، مسلمانوں، اقلیتوں اور کمزور  
 طبقات پر ظلم میں تشویشناک حد تک اضافہ  
 ہو چکا ہے، لگتا ہے جیسے فرقہ پرست ظالموں  
 کو کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے، گاؤں دکھنا  
 کے نام پر دسیوں بے قصور جانیں ضائع کی  
 گئیں، داری کے اخلاق کا آخر کیا تصور  
 تھا؟ سبکدوشی کے جن دلتوں کو گھسیٹ  
 گھسیٹ کر مارا گیا، آخر انہوں نے کیا جرم  
 کیا تھا؟ بھوپال میں جن آٹھ مسلم  
 نوجوانوں کو فرضی انکاؤنٹر میں شہید کیا گیا،  
 آخر انہیں بے دردی کے ساتھ گولیوں سے  
 بھون دینے کا کیا جواز تھا؟ ساری دنیا کہہ  
 رہی ہے کہ انکاؤنٹر کے نام پر انہیں ہلاک کیا  
 گیا ہے، اس انکاؤنٹر کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا  
 کہ اندور پٹنہ ایکسپریس کا حادثہ رونما ہوا،  
 حادثہ زمانہ دراصل وعظ رب ہوتے ہیں،  
 انہیں معمول کا واقعہ سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا  
 چاہئے، ظلم چاہے جس پر بھی ہو اور جس نے  
 بھی کیا ہو لائق مذمت ہے، حکمران طبقہ اگر  
 ظلم کرتا ہے تو عام لوگوں کی ذمہ دار ہے کہ اس  
 کے خلاف آواز اٹھائیں، اس وقت ملک کی  
 عجیب صورت حال ہے کہ لوگ ظلم ہوتا دیکھ کر

بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں، ظالموں کو ظلم کی جھوٹ دینا بھی ایک طرح کا ظلم ہے۔

کانپور ٹرین حادثہ نے قیامت سے پہلے قیامت کا منظر دکھا دیا، جن لوگوں نے میڈیا پر متاثرین کا حال دیکھا ہے انہیں شاید قیامت کی ایک جھلک دکھائی دی ہوگی، حادثہ کے بعد متاثرین ایسی بد حالی کا شکار تھے کہ ہر ایک حواس باختہ نظر آ رہا تھا، ایک کسمن دو سالہ لڑکی جس کے ماں باپ دونوں ہلاک ہوئے وہ اسپتال میں زخمی حالت میں ہے، اُسے اس بات کا احساس تک نہیں کہ اس کے سر سے اس کے والدین کا سایہ اٹھ چکا ہے، ایک نوجوان

متاثرہ لڑکی سے ٹی وی کے نمائندوں نے حال پوچھا تو کہنے لگی کہ سب لوگ موجود ہیں لیکن ہمارے ہتاجی کا پتہ نہیں ہے، مجھے بس اپنے ہتاجی کی فکر ہے۔ ایک عمر رسیدہ بزرگ کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے بھائی کی تلاش میں حیران و سرگرداں تھے، بہت سے لوگ اپنے عزیزوں کی تلاش میں حواس باختہ دیکھے گئے، بعض زخمی مسافروں نے بتایا کہ حادثہ سے پہلے ایک زوردار دھماکہ کی آواز سنائی دی، پھر ایسے بکا یک حادثہ رونما ہوا کہ لوگ حیران و ششدر رہ گئے، قیامت بھی اسی طرح سے اچانک رونما ہوئی، حالیہ ٹرین حادثہ

قیامت صغریٰ سے کچھ کم نہیں تھا۔ اس قسم کے حادثات کے موقع پر جہاں ایثار اور انسانیت اور ہمدردی و خیر خواہی کے انصاف نقوش سامنے آتے ہیں، وہیں کچھ انسانیت دشمن عناصر ایسے نازک اور اندوہناک موقع پر بھی حیوانیت و بربریت کا مظاہرہ کرتے نہیں چوکتے، چنانچہ اس حادثہ میں بھی انسانیت سے عاری ظالموں کو ہمارے ملک میں اور قیمتی اشیاء کو چوری کرتے دیکھا گیا، آخر ہمارے ملک میں اخلاقی قدروں کی پامالی کا یہ سلسلہ کب ختمے گا؟ آخر ملکی باشندوں کی اخلاقی سطح کب بلند ہوگی؟



## بقیہ..... جھوٹ بولنا منافقت کی نشانی

آج ایک بڑے سنگین جھوٹ کی وبا بھی ہمارے معاشرے میں نظر آرہی ہے، وہ ہے دینی معاملات میں جھوٹی احادیث اور جھوٹی روایات پیش کرنا۔ جس کی وجہ سے کمزور اعتقاد کے مسلمانوں کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

صحیح مسلم، جلد اول حدیث نمبر 18 ہے۔ ”حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو آخر زمانے میں جھوٹے دجال لوگ ہوں گے تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جن کو نہ ہم نے، نہ تمہارے آبا و اجداد نے سنا ہوگا، تم ایسے لوگوں سے بچے رہنا،

مبادا وہ تمہیں گمراہ اور فتنہ میں مبتلا کر دیں۔“ ہمارا مذہب اسلام تو مذاق میں بھی جھوٹ بولنے کی ممانعت کرتا ہے تو دین میں جھوٹ بولنے کی تو کہیں گنجائش ہی نہیں۔ لہذا بغیر تحقیق اور ثبوت کے کوئی حدیث یا دینی عبارت آگے بھیجنے سے گریز کریں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ”جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اُس کے لیے بھی ہلاکت ہے۔“ (ابوداؤد، ترمذی) یہ ہلاکت اور رسوائی صرف دنیا کے لیے نہیں بلکہ جھوٹے کا انجام آخرت میں بھی عبرتناک ہوگا۔ لہذا ہم سب کو جھوٹ سے پرہیز کرنا چاہئے، چاہے وہ دینی

معاملات ہوں، کاروباری یا نئے رشتوں کے بندھن کا معاملہ ہو، خصوصاً یہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین سے التماس ہے کہ نئے رشتوں کو جوڑنے کے لیے جھوٹ کا سہارا نہ لیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر بھروسہ کر کے تمام حقائق دونوں پارٹیوں ایک دوسرے کو بہم پہنچائیں تاکہ مستقبل میں پریشانیوں سے بچا جاسکے۔ جوڑے تو آسان پر بنتے ہیں، جہاں نصیب میں لکھا ہوگا وہاں ہر صورت کامیابی ہوگی۔ اللہ رب العزت ہم سب کو دینی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



## سوال و جواب

جہاں تک شیعوں کا تعلق ہے تو اگر ان میں سے کوئی قرآن میں تحریف کا قائل ہو، حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتا ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتا ہو تو وہ کافر ہے اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہے۔ (ہندیہ-2/264، کتاب الخوازل-51/2)

ص: اگر کوئی عورت اتنی بوڑھی ہو کہ وہ فرض روزے ادا نہیں کر سکتی تو وہ کتنا فدیہ ادا کرے گی، اور اگر اس کے پاس فدیہ ادا کرنے کی وسعت نہ ہو تو کیا کرے گی؟

ج: اگر روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے تو فدیہ ادا کرے گی، ایک دن کا فدیہ نصف صاع گہوں یا اس کی قیمت ہوتی ہے، نصف صاع کی مقدار ایک کلو 6 سو 33 گرام ہوتی ہے جتنے روزے چھوٹیں سب کو اسی مقدار پر ضرب دے کر اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور اگر غربت کی وجہ سے فدیہ نہ دے سکے تو اللہ سے توبہ استغفار کرے اللہ معاف کرنے والا ہے۔ (شامی-2/130)

ص: صفیہ اور صائمہ دو حقیقی بہنیں ہیں، صفیہ اپنے لڑکے کی شادی اپنی بہن صائمہ کی لڑکی سے کرنا چاہتی ہے، لیکن صفیہ کے لڑکے نے اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے، کیا ان دونوں کی شادی ہو سکتی ہے؟

ج: جس لڑکے نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے، اس کی شادی خالہ کی کسی بھی لڑکی سے نہیں ہو سکتی، اسلئے کہ خالہ اس کی رضاعی بہن اور اس کی لڑکیاں اس کی رضاعی بھانجی ہیں اور رضاعی بھانجی سے بالکل اسی طرح شادی حرام ہے جس طرح حقیقی بھانجی سے حرام ہے۔ (ہندیہ-1/353)

(بقیہ ..... صفحہ ..... 41..... ہو)

ص: یہودی عیسائی اور شیعوں کا ذبیحہ شرعی اعتبار سے کیا حیثیت رکھتا ہے، یعنی ان کا ذبح کیا ہوا گوشت استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ج: اہل کتاب یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کے ذبیحہ کو کتابوں میں حلال قرار دیا گیا ہے، لیکن آج کل جو اہل کتاب پائے جاتے ہیں ان میں بہت سے عقائد کے اعتبار سے طہر ہوتے ہیں، تو ان کا ذبیحہ تو کسی حالت میں جائز نہیں ہے، اور جو طہر اور مرہیہ نہ ہوں تو ان کا ذبیحہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ بوقت ذبح اللہ کا نام لیں، اور تحقیق سے ثابت ہوا کہ وہ ایسا نہیں کرتے، پھر ذبح میں چار رگوں میں سے کم از کم تین رگوں کا کاٹنا ضروری ہوتا ہے، عیسائیوں کے یہاں اس کا بھی بالکل اہتمام نہیں ہے، لہذا جہاں مسلمانوں کا ذبیحہ دستیاب ہو وہاں ان کا ذبیحہ استعمال کرنا درست نہیں، اور جہاں مسلمانوں کا ذبیحہ دستیاب نہ ہو وہاں اس شرط کے ساتھ ان کا ذبیحہ جائز ہو سکتا ہے کہ وہ طہر نہ ہوں، رگیں کاٹ کر ذبح کریں اور بوقت ذبح اللہ کا نام لیں، اور تقویٰ یہ ہے کہ ہر حالت میں احتیاط کی جائے۔ (شامی-5/208، ہدایہ-4/419، فتاویٰ رحمیہ-9/326، احسن الفتاویٰ-7/416، جدید فقہی مسائل-1/270)

ص: جو قرآن مجید پڑھ کر بخشا جاتا ہے اس کا بخشا کیسا ہے؟ اور کسی کے انتقال پر جو مدارس میں قرآن پڑھا کر بخشوایا جاتا ہے اور دعا کرائی جاتی ہے، اور جو ستر ہزار بار کلمہ پڑھا جاتا ہے اس خیال سے کہ مردہ کو قبر کی سختی سے نجات ملے گی تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں، تفصیلی طور سے ان مسلوں کو واضح کریں۔

ج: دن اور پاروں کی تعداد کا التزام کئے بغیر قرآن مجید پڑھ کر اس کا ایصال ثواب اجماعاً عمل ہے، یہ ایک طرح سے دعا ہوتی ہے کہ یا اللہ ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دیجئے اور مردوں کے لئے دعا کا ثبوت خود قرآنی آیات اور بہت ساری احادیث سے ہے، لیکن اگر قرآن خوانی کرا کے بچوں کو کچھ اجرت کسی بھی شکل میں دی جائے تو اس سے ثواب نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ اجرت پر کسی بھی عبادت کو کیا جائے اس میں ثواب نہیں ہوتا ہے، تو جب ”ثواب“ نہیں ہوتا ہے تو ”ایصال ثواب“ کیسے ہو سکتا ہے، لہذا یہ عمل میت کے قریبی اعضاء کو بلا التزام وقت کرنا چاہئے۔ (رسائل ابن عابدین 1/175، شامی-1/666) کلمہ پڑھا کر بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی کسی تعداد کو لازم سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ (الجہد المرائی-3/105)

ص: کیا نکاح کے وقت سسرال سے آئے ہوئے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا لڑکی کے لئے ضروری ہے؟ اس لئے کہ عورتیں اس کا بڑا اہتمام کرتی ہیں اور جب تک وہ کپڑے نہ پہننا دینے جائیں اجازت کے لئے وکیل وغیرہ کو نہیں بلایا جاتا؟

ج: شریعت کی طرف سے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی ہے کہ اجازت کے وقت سسرال سے آئے ہوئے کپڑے یا زیورات پہننا ضروری ہے، بلکہ اگر اس کو شریعت کا حکم سمجھ کر کیا جائے تو بدعت اور گناہ کا کام ہوگا جس سے احادیث میں روکا گیا ہے۔ "من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد۔" (الحدیث)

ص: ایک گھر کی صورت حال یہ ہے کہ باپ بیٹے ساتھ رہتے ہیں، لیکن باپ کی کمائی حلال ہے جب کہ بیٹے کی کمائی حرام ہے، اگر اس گھر سے دعوت آئے تو اس میں شرکت کرنا اور کھانا کیسا ہے؟

ج: احتیاط اور تقویٰ ایسے لوگوں کی دعوت سے پرہیز کرنے میں ہے جن کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو، البتہ فتویٰ اس پر ہے کہ اگر اکثر آمدنی حرام ہے تو دعوت میں شرکت کرنا اور کھانا جائز نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو دعوت قبول کی جاسکتی ہے، اور کھایا پیا بھی جاسکتا ہے۔ (ہندیہ-5/343)

بشارالاسد اور اس کے باپ حافظ الاسد دونوں نے شام میں اسلام پسندوں کو اور جمہوریت پسندوں کو ظلم کا نشانہ بنایا اسلام نے ظلم کے خلاف کھڑا ہونا سکھایا ہے جس کی ابتدا واقعہ کربلا سے ہوتی ہے۔ دنیا میں مسلمانوں نے طویل عرصہ تک حکومت کی ہے، ہمیشہ انصاف اور رواداری اسلام کی تاریخ کا طرہ امتیاز رہا ہے، اسلام کا مقصد جنگ انصاف کی بنیادوں کو مضبوط کرنا ہے، تاریخ میں مسلمان فاتحین نے مفتوح ملکوں میں سب کو مذہبی آزادی دی، نہ رسم و رواج میں مداخلت کی نہ کسی کا پرشل لا بدلانہ غیر مسلموں کے ساتھ بھیانانہ سلوک کیا، مسلمانوں نے اگر ایسا کیا ہوتا جیسا مسیحیوں نے اندلس میں کیا تو مفتوح ملکوں میں آج بھی اکثریت غیر مسلموں کی ہے، جیسے ہندوستان میں، یہ اسلام اور مسلمانوں کی رواداری کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ مسلمانوں کا میدان جنگ میں قدم رکھنا شہادت کہ الفت میں قدم رکھنا تھا اور اپنی جان و مال اور اپنے گھر اور عیش و آرام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا تھا اور یہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے تھا، اسلام کے خلاف جبر و قہر کو ختم کرنے کے لئے تھا، جب وہ میدان جہاد کے لئے نکلتے تھے تو زبان حال سے کہتے تھے:

جلا کے مشعل جاں ہم جنوں صفات چلے جو گھر کو آگ لگائے ہمارے ساتھ چلے

اس کے تبدیل مذہب کا محرک تلوار کے بجائے کوئی اور چیز (پیام حق) ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاد کی مشروعیت، مظلوموں کی حمایت، جلاوطنوں کے حق دلانے، حج کا راستہ کھولنے اور عقیدہ کی آزادی حاصل کرنے کے لیے ہوئی تھی، جیسا کہ اس کا مفصل بیان کتاب میں کہیں آئے گا، قرآن کی اس آیت میں:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيُكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ.

(اور ان سے لڑو یہاں تک فتنہ نہ رہے اور دین (اطاعت) مکمل طور پر اللہ کے لیے ہو جائے)۔

فتنہ سے مراد عقیدہ اور مذہب کی آزادی نہ ہونا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خانہ جنگیوں میں شریک نہ تھے، ایک شخص نے آ کر ان سے کہا کہ کیا خدا نے فتنہ کو مٹانے کے لیے لڑنے کا حکم نہیں دیا، اور مذکورہ آیت پیش کی، انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ فرض آحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کر چکے، جب مسلمان کم تھے، تو انسان اپنے دین کے سبب سے فتنہ میں مبتلا کیا جاتا تھا، اس کو لوگ یا مار ڈالتے تھے یا قید کر لیتے تھے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو پھر فتنہ باقی نہ رہا۔..... (جاری)

# سر سید احمد علی اسلامی غیرت

کرنا میری سمجھ میں کفر ہے جو کبھی بخشا نہ جائے گا۔ صاف کہہ دینا تھا کہ میں اپنے خدائے عظیم الشان قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا نہ آپ کی۔ کیا ہوتا؟ نوکری میسر نہ ہوتی فاتحے سے مر جاتے نہایت اچھا تھا۔“

غرض سر سید احمد خاں اپنے بعض بلکہ بہت سے مذہبی خیالات میں آزاد تھے لیکن مذہبی خیالات میں آزاد ہونے کے باوجود غیروں کے سامنے اپنے مذہب اور اپنی قوم کے حق میں دلیر، نڈر، جری اور بہادر تھے ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا افسوس ہے کہ ان اوصاف کی روز بروز کمی ہوتی جا رہی ہے۔

آج ہم میں سے اکثر سر سید احمد خاں کی ان تحریروں اور تفردات کی بنیاد پر ان پر کفر و فسق کا فتویٰ لگانے میں نہیں چوکتے جو بشری تقاضے کی بنیاد پر ان سے سرزد ہوئے اور بہت ممکن ہے کہ انہوں نے ان مفردات سے رجوع کر لیا ہو جیسا کہ بہت سے ان کے متعلقین کا خیال ہے۔ لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو سر سید احمد خاں کی طرح اسلام اور ارکان اسلام کے بارے میں اتنے حساس اور غیرت مند ہیں جتنے وہ تھے آج ہم اسلام کی دفاع میں کیا کچھ کر رہے ہیں؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب ہر شخص اپنے ضمیر سے پوچھنا ہے اور اپنا احتساب کرنا چاہیے۔

□□□

خطبات احمدیہ کے نام سے چھپوایا ان کے اکثر دوست جاگیر دار اور سرکاری عہدہ دار سر ولیم میور کی گورنمنٹ کے ماتحت تھے ان سب نے ان کو منع کیا مگر انہوں نے کسی کی نہ سنی۔

سر سید احمد خاں ہی کے ایک عزیز کو ایک مرتبہ ایک ایسے متعصب افسر سے سابقہ پڑا جو ان کی نماز پر اعتراض کرتا تھا اور نماز کی رخصت نہ دیتا تھا، آخر انہوں نے ڈر کے مارے نماز چھوڑ دی اور سر سید کو سارے حالات کی اطلاع دی۔ سر سید احمد خاں کا غیرت و حمیت سے بھر ا جواب سنئے۔

آپ نے جواب دیا:

”کہ نماز جو خداوند کریم کا فرض ہے اس کو ہم اپنی شامت اعمال سے جس خرابی سے ادا کریں یا قضا کریں لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نماز نہ پڑھو اس کا میرا ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سنی بھی نہیں جاسکتی۔ میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنا صرف گناہ ہے جس کے بخشے جانے کی توقع ہے اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھنا یا سستی

سر سید احمد خاں کے زمانے میں سر ولیم میور مغربی و شمالی ممالک کا گورنر تھا۔ اس نے ۱۸۶۶ء میں ”لائف آف محمد“ کے نام سے ایک کتاب چار جلدوں میں لکھی اور اسلام اور شارع اسلام کے متعلق ایسا زہرا گلا کہ عیسائیوں کے خیال میں اس کا کوئی جواب نہ ہو سکتا تھا۔ سر سید احمد خاں نے باوجود سرکاری ملازم ہونے کے اپنے صوبے کے سب سے بڑے حاکم کی کتاب کا جواب لکھنے کا ارادہ کیا۔

چونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی کے قدیم کتب خانے ضائع ہو چکے تھے اس لئے وہ اپنے بیٹے سید محمود کے ہمراہ ولایت چلے گئے جہاں انڈیا آفس کے کتب خانے اور بیٹس میوزیم کی لائبریری سے ان کو بہت سا مواد ملا باوجود مالی مشکلات کے دل کی جلن کا یہ حال تھا کہ فرض لیا، دوستوں سے روپیہ منگوایا اور اپنے گھر (دہلی) لکھ دیا کہ میرا اسباب یہاں تک کہ تانے کے برتن تک بیچ دو اور روپیہ روانہ کرو۔

آخر اس زہریلی کتاب کا جواب